

چند

ازدواجی مسائل

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواری



2/8/20
DAMAGED

چند از دواہی مسائل

از

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواری

ادارۃ ثقافت اسلامیہ

۲۔ کلب روڈ، لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

۲۹۷۳۳۳

حج 37

۱۲۳۸۹۷

چند از دو اجی مسائل

نام کتاب:

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواری

مصنف:

2010ء

اشاعت نو:

500

تعداد:

قاضی جاوید

ناشر:

ناظم، ادارہ ثقافت اسلامیہ

مکتبہ جدید پریس، لاہور

مطبع:

100/- روپے

قیمت:

یہ کتاب اکادمی ادبیات پاکستان اور محکمہ اطلاعات و ثقافت،

حکومت پنجاب کے تعاون سے شائع ہوئی ہے۔

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۵	ایک استثنائی واقعہ	۱	۱۔ کم ہوشی کی شادی اور فسخ نکاح کا اختیار
۱۶	اختیار کا زمانی استمداد	۱	نابالغہ اور اختیارِ فسخ
۱۸	کیا اچھی مساوات ہے؟	۳	باپ دادا کی وسعتِ اختیار
۱۹	جنون کا نام خردِ درگھ دیا	"	سوئے اختیار
"	خلاصہ کلام	۴	دلچسپ رعایت
۲۰	مسکب شافعیہ	۵	تصدیقِ قاضی
"	انگ زاویہ نگاہ	"	ثیبہ کا سکوت
"	صحتِ نکاح	"	بے بسی کی انتہا
۲۱	یا اس میرے یا اس میرے	۶	شفقت اور سوئے اختیار کا اجتماع
"	احادیث کیا کہتی ہیں	۷	سوئے اختیار صرف تین نہیں
۲۲	دوسرے مجتہدین کیا کہتے ہیں	۸	اختیارِ نبوی کی ہمسری
۲۴	کس نے محفلِ اذن ہی نہیں	"	ولی مجبر کی فقہی اصطلاح
۲۸	ذرا ٹھہریے	۹	ولی مجبر کے لیے غلط استدلال
۲۹	امام ابن شہرہ	۱۰	قرآن کیا کہتا ہے؟
"	امام ابن حزم	۱۱	دوسرا غلط استدلال
۳۰	امام ابو حنیفہ	۱۲	سیدہ عائشہ کی غلط مثال
"	اور سن بلوغ	۱۳	اسما بنت ابی بکر صدیقؓ
"	اختتامِ بحث	۱۴	غلط مثال کی دشواریاں
۳۱	مسکب مالکیہ	"	نکاح نہیں منگنی
۳۲	مسکب حنبلی	۱۵	دوسری دشواری

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۶۷	عہدہ	۳۴	۲ - تین یکبارگی طلاقیں
"	مفقود و انحراف	"	ناپسندیدہ فعل
۶۹	۴ - نشے میں طلاق	"	طلاق سے بچانے کی راہیں
۷۷	۵ - رسم جہیز اور مسلمان	۳۹	طلاق کے تین طریقے
۸۷	۶ - حضانت کے مسائل	۴۱	دفعہ تین طلاقیں پہلے رجوع تھیں
"	حضانت کی تعریف	۴۲	فوری طلاق مضابطہ اور حلالہ
۸۹	ائمہ اربعہ کے مسکوں کا نقشہ	۴۵	طلاق کا مضابطہ عمل کیا ہو؟
۹۱	حاضنین کی شرائط اور اہم	۴۷	خلع
"	ائمہ اربعہ کا مسلک	۵۰	ایک ضروری بات
۹۲	حکومتِ حضانت اور اہم	۵۱	ایک اور ضروری بات
۹۲	مضمون کے اخراجات	۵۳	سوالات
۹۲	اور ائمہ کا مسلک	"	جواب
۹۲	اخراجاتِ حضانت	۶۳	ایلام
۹۴	مراجہ و ماخذ	۶۴	غریب ماکیہ
		"	غریب حنابلہ
		۶۶	لعان

گزارش

انسانی معاشرے کا بنیادی پتھر ازدواج ہے۔ ازدواج ہی کے طفیل انسان کا وجود قائم ہے۔ صرف انسان ہی نہیں حیوانات اور نباتات کا وجود بھی نرمادہ کی ہستی کا رہن منت ہے۔

ومن کل الثمرات جمل فیھا ذوجین اثنین - (۳:۱۳)

(تمام پھلوں کے اندر بھی اللہ نے دو دو کے جوڑے بنائے ہیں)

نیز فرمایا:

خلق الاذواج کلھا مما تنبت الارض (۳۶:۶)

(زمین جو کچھ اگاتی ہے اس کے تمام جوڑے اللہ نے پیدا کیے ہیں۔)

بلکہ ایک قرآنی شواہد تو یہاں تک ہے کہ:

ومن کل شیء خلقنا زوجین (۵۱:)

(ہم نے ہر چیز کا جوڑا بنایا ہے)

اللہ تعالیٰ نے جہاں بہت سی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے وہاں نہایت کو بھی ایک نعمت قرار دیا ہے:

وخلقناکم - انواجبا - (۸:۷۸)

(ہم نے تمہیں جوڑے کی شکل میں پیدا کیا ہے۔)

لیکن ہر نعمت اسی وقت نعمت ہوتی ہے جب اس کا صحیح حق ادا کیا جائے۔ غلط استعمال

سے ہر نعمت ایک مصیبت بن جاتی ہے۔ شوہر کے لیے بیوی اور بیوی کے لیے شوہر بلاشبہ نعمت

عظمی ہے لیکن یہ ایک ایسا نازک رشتہ ہے کہ معمولی سی بے احتیاطی آگے چل کر عظیم فتنہ برپا کر

سکتی ہے اور خاندان کے خاندان تباہ کر سکتی ہے۔ اگر عقل و حکمت کے ساتھ اس کی نزاکتوں

کو ملحوظ رکھا جائے تو ازدواجی زندگی کو یا جنتی زندگی بن جاتی ہے۔ ورنہ جنتی زیادہ بے احتیاطی

برتی جائے گی اسی قدر زندگی بہنم زار بنتی چلی جائے گی اور پورا معاشرہ اس سے متاثر ہوگا۔

اسلام کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے اس دنیا میں حیاتِ طیبہ اور خوشگوار زندگی گزارنے کے تمام طریقے بتا دیے ہیں اور اسی زندگی کا ایک عظیم حصہ ازدواجی زندگی ہے جس کو خوشگوار بنائے رکھنے کے تمام راستے اسلام نے دکھادیے ہیں۔ قرآن نے ہدایات دیں۔ صاحبِ قرآن نے معاشرے میں ان کی عملی تشکیل فرمائی۔ عہدِ نبوی میں بھی اور خلفائے راشدین کے عہد میں بھی ازدواجی زندگی سے تعلق رکھنے والے مسائل سامنے آئے۔ مقدمے یا استفتے کی شکل میں بار بار آئے۔ جائز و ناجائز رشتے نکاح، طلاق، ظہار، ایلا، لعان، خلع، عتہ، مفشو و الخیر، حلالہ، مہر، عدت، حضانت، رضاعت، تجدید نکاح، عقیقہ ثانی، نان نفقہ غرض سارے مسائل اپنی مختلف شکلوں کے ساتھ پیش آئے اور ہمیشہ آئندہ مسئلے کا حل پیش کر دیا گیا اور اس کا فیصلہ سنایا گیا۔ بعد والوں کو ان فیصلوں میں اختلاف نظر آیا تو اس دشواری کو یوں دور کیا گیا کہ مختلف مجتہدین نے اپنی اپنی پسند کے مطابق ایک فیصلے کو قبول کر لیا اور باقی فیصلوں سے صرف نظر کر لیا۔ اس طرح مختلف مکاتبِ فکر پیدا ہو گئے جن میں سے چار مذاہب اپنی سنت میں زیادہ پھیلے اور ان کے ملنے والے حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کہلاتے ہیں۔ یقین ہے کہ یہ ائمہ اربعہ یا دوسرے مجتہدین مذہب نہ تو اپنے نام کا کوئی فرقہ قائم کرنا چاہتے تھے نہ اپنے اجتہادات کو حرفِ آخر سمجھتے تھے۔ یہ دراصل خام مواد ہیں جو ان ائمہ و مجتہدین کی سعی و شکرِ اعلیٰ تحقیق اور باورِ ایل راہیں ہیں۔ کوئی مکتبِ فکر بھی اللہ کی طرح آخری سند و حجت (FINAL AUTHORITY) یا معصوم عن الخطا نہیں۔ بہر حال جب لوگوں نے اپنی اپنی پسند سے پاپیدائشی طور پر مختلف مکاتبِ فکر میں سے کسی ایک کو تسلیم کر لیا اور فرقے کی شکل بن گئی تو لازمی طور پر آپس میں تنگ دلی اور تعصب نے جڑ پکڑ لی اور ہر فرقے کے عوام اور بعض خواص بھی یہ سمجھنے لگے کہ جو ہمارے پاس ہے وہ تو سب کا سب صحیح ہے اور جو دوسروں کے پاس ہے اس کے زیادہ حصے غلط ہیں حالانکہ سب کا استدلال کتاب و سنت ہی سے ہے۔

جہاں تک ہماری ناقص عقل سپرچ سکتی ہے معاملہ یوں ہے کہ قرآن میں تو کوئی اختلاف بالمشاورہ نہیں جیسا کہ خود قرآن ہی نے واضح کر دیا ہے:

لوکان من عند غیر اللہ لوجہ وافیہ اختلافاً کثیراً (۸۴:۴)

(اگر قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو لوگ اس میں بڑے اختلافات پاتے)

رہی احادیث و روایات تو ہمارا ایمان یہ ہے کہ رسولؐ نہ قرآن کے خلاف کوئی فیصلہ کر سکتا ہے نہ رسولؐ کے کلام میں تضاد ہو سکتا ہے۔ راویوں کی غلطی ہو سکتی ہے۔ لیکن رسولؐ کی طرف تناقض بیان کی نسبت درست نہیں۔ یہ جو آپؐ کو مختلف احکامی احادیث نظر آتی ہیں ان میں کوئی باہمی اختلاف یا تضاد نہیں بلکہ یہ اختلافات دراصل مختلف مواقع اور مختلف مصالح کے مختلف احکام ہیں۔ ان کا پس منظر سلف نے نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں تناقض نظر آتا ہے۔ ائمہ مجتہدین نے اپنی صوابدید کے مطابق کسی ایک کو اصح اور قوی یعنی صحیح تر اور قوی تر سمجھ کر قبول کر لیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دوسری احادیث کو غلط سمجھتے تھے۔ اگر کسی روایت کو وہ غلط سمجھ کر رد کرتے ہیں تو وہ کسی دلیل سے ایسا کرتے ہیں جس میں بجائے خود بھی غلطی کا امکان موجود ہے۔ آئندہ دور میں یہ عین ممکن ہے کہ قوی دلائل سے ان کی قبول کردہ روایت میں سقم نکل آئے یا رد کردہ روایت میں صحت کا پہلو غالب ہو جائے۔

بہر کیف بات عقلی و نقلی دلائل سے ہونی چاہیے نہ کہ محض تقلیداً۔ جب تک یہ نہیں ہوتا اس وقت تک ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم احکام کے اختلافات کو مختلف مواقع و مصالح پر محمول کریں اور کسی ایک مکتب فکر کی جامد تقلید کی بجائے براہ راست کتاب و سنت سے استفادہ کرتے ہوئے سب سے فائدہ اٹھائیں۔

اس استفادے کا طریقہ یہ ہے کہ ان تمام احکام سے فائدہ اٹھائیں جو ہمارے عصری تقاضوں کو بھی پورا کریں اور زندگی کے دوسرے گوشوں کی طرح ازدواجی زندگی کی ان گتھیوں کو سلجھائیں جن کی وجہ سے ازدواجی زندگی کی خوشگواریاں پچ درپچ مصائب و دشواری میں تبدیل ہو گئی ہیں۔ ہم نے اپنی گتھیوں کو کتاب و سنت اور فقہ و حکمت کی روشنی میں سلجھانے کی کوشش کی ہے ہم پہلے اپنی کتابوں اور مضامین میں ان مسائل پر بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔ پیش نظر کتاب میں چھ مسائل پر اپنی بساط کے مطابق گفتگو کی ہے۔ یہ وہ مسائل ہیں جو اکثر و بیشتر ازدواجی زندگی میں پیش آتے رہتے ہیں اور ہمارے فقہی جمود کی وجہ سے بہتیری مشکلات کا حل نہیں ملتا۔ کیا ایسا

ممکن یا مناسب نہیں کہ ہم کسی ایک فرقے کی فقہ کے مکمل پابند ہونے کی بجائے براہ راست کتاب و سنت سے استفادہ کریں اور اس کی روشنی میں دوسرے ائمہ مجتہدین سے بھی فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی نتیجے پر پہنچیں؟

اس کتاب میں میں نے یہی کوشش کی ہے لیکن یہ کوئی دفاً آخر نہیں۔ سوائے اہل علم کو ذرا آنا اور وسیع تر غور و فکر سے ایک نتیجے پر پہنچنا چاہیے اور اپنے ذہن کی فقہ ان کو خود مرتب کرنا چاہیے۔

زیر غور مسائل جن پر اس کتاب میں گفتگو کی گئی ہے۔ یہ ہیں:

- ۱۔ کم سنی کی شادی اور فسخ نکاح کا اختیار؛ ۲۔ تین یکبارگی طلاقیں؛ ۳۔ خلع؛ ۴۔ طلاق سکران؛ ۵۔ یم جہیز اور مسلمان؛ ۶۔ حضانت کے مسائل۔

ان مشایین کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ کم سنی کی شادی کو روک دینا چاہیے ورنہ اسے عقل و رشداً نے تک فسخ کا اختیار

دینا چاہیے۔

۲۔ بیک جنس جو تین طلاقیں دے دی جاتی ہیں ان کو رجعی سمجھنا چاہیے نہ کہ منقطع۔

۳۔ نشے کی حالت میں جو طلاق دی جائے اسے غیر معتبر تصور کرنا چاہیے۔

۴۔ خلع کا پورا پورا حق بیوی کو ملنا چاہیے۔

۵۔ جہیز نہ کوئی سنت رسول ہے نہ لازمہ ازدواج۔

۶۔ حضانت میں محضوں کو اس حاضرین یا حاضرین کے سپرد کرنا چاہیے جس سے بہتر

ترمیم کی امید غالب ہو۔

یہ ہماری دیانت دارانہ رائے ہے جس کے لیے ہم نے نقالی و عقلی دلائل دیے ہیں۔

ہماری تحقیق میں غلطیوں کا امکان بہر حال موجود ہے۔ اب یہ اہل علم کا کام ہے وہ ان دلائل کی روشنی میں غور و فکر کر کے کسی نتیجے پر پہنچیں۔

محمد حفیظ پھلواری رفیق ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور

①

کم سنی کی شادی اور فسخ نکاح کا اختیار

اس میں بتایا گیا ہے کہ کم سنی کی شادی معاشرتی مصلحہ کے خلاف ہے اور اگر کسی مجبوری سے کم سنی کی شادی کی جائے تو اسے فسخ نکاح کا حق مناسب عمر تک ہونا چاہیے۔

نابالغہ اور فسخ نکاح

(مسک حنفی میں)

دو قسم کے ولی مجبر

احناف کے نزدیک باپ اور اس کی غیر موجودگی میں دادا ولی مجبر ہوتا ہے۔ ولی مجبر کا مطلب یہ ہے کہ نابالغ بچی کا نکاح اس سے پوچھے یا اسے بتائے بغیر کرادے۔ خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ، تو وہ اپنے نکاح کو فسخ کرنے کا کوئی اختیار نہیں رکھتی۔ نہ بلوغ سے پہلے نہ بلوغ کے بعد۔ ہاں اگر باپ دادا کے علاوہ کوئی دوسرا ولی مجبر اس کا نکاح کرادے تو وہ اپنا نکاح فسخ کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ پہلا قطرہ خون دیکھتے ہی اسی آن دو گواہوں کے سامنے اعلان کر دے کہ میں نے اپنا نکاح فسخ کر دیا۔ اور اگر اسے بلوغ کے بعد تک اپنے نکاح کا کوئی علم نہ ہو تو نکاح کا علم ہوتے ہی اسی آن گواہوں کے سامنے اعلان فسخ کر دے اگر علامت بلوغ دیکھنے یا علم نکاح ہونے کے بعد دو سیکنڈ بھی خاموش رہی تو اس کی

نہ ثیب یا ثیبہ وہ عورت ہے جس کے شوہر نے قبل از بلوغ یا بعد از بلوغ اس کی بکارت زائل

کی ہو پھر وہ مطلقہ یا جرمہ ہو گئی ہو۔

رضامندی سمجھی جائے گی اور تمام عہدہ اپنا نکاح فسخ نہیں کر سکتی۔ اگر اسے یہ مسئلہ نہ بھی معلوم ہو (کہ بالغ ہوتے ہی یا علم نکاح ہوتے ہی اسی آن اعلان فسخ کرنے سے نکاح فسخ ہو سکتا ہے) تو ناواقفیت کا یہ عذر نہیں سنا جائے گا۔ شرح وقایہ کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:

”وللولى انكاح الصغير والصغيرة ولو ثيبًا.... ثم ان زوجهما الاب او الجدة لزم وفي غيرهما فسخ الصغيران - بين بلغا او علما بالذبح بعدك.... وسكوت البكر رضاء هنا.... ولا يمتد خيارها الى آخر المجلس وان جعلت به.... ولا تعذر بالجهل والجهل ليس بعذر في حقها“

”ولی کو نابالغ لڑکے اور لڑکی کا نکاح کر دینے کا حق ہے۔ خواہ لڑکی ثیب ہی کیوں نہ ہو۔ پھر اگر باپ یا دادا نے بیابا ہو تو لازمی طور پر نافذ ہوگا (کبھی اختیار فسخ نہ ہوگا) اور باپ دادا کے علاوہ دوسرے ولی کے کرائے ہوئے نکاح میں کم سن لڑکے اور لڑکی بالغ ہوتے ہی یا بعد بلوغ علم نکاح ہوتے ہی فسخ نکاح کر سکتے ہیں اور اس معاملے میں باکرہ کا سکوت رضامندی ہوگا۔ یہ خیار فسخ مجلس بدلنے تک قائم نہ رہے گا اگرچہ وہ اس مسئلے سے ناواقف ہو اس کی ناواقفیت کا عذر قبول نہیں ہوگا۔ یہ ناواقفیت اس کے حق میں کوئی عذر نہیں“

احزاب میں صرف خفاف نے اتنی رعایت کی ہے کہ آخر مجلس تک اس خیار کو ممتد کر دیا ہے۔ وجعل الخفاف خيار البالغ مستداً الى آخر المجلس وهو خلاف رواية المبدوءة

۱۷ (شرح وقایہ مع عمدة الرعاية ج ۲، ص ۲۲-۲۳ طبع مجتہبی ۱۹۱۹ء)

۱۸ قاضی ابویوسف تو باپ دادا کے علاوہ دوسرے اولیاء کے کرائے ہوئے نکاح عتقار کو بھی دائم و قائم اور ناقابل فسخ جانتے ہیں۔ ملاحظہ ہو بین السطور ایضاً ص ۲۳ کی عبارت: وفيه خلاف ابی یوسف ایضاً حیث یقول بنزوم نکاح بنت الاب والجد ایضاً وعدم خيار البالغ،

۱۹ ایضاً ص ۲۲، حاشیہ ۲

۳۔ کسی فاسق سے کر دیا ہو سکے
دلچسپ رعایت

اجتہاد نے جو نابالغہ کو بالغ ہوتے ہی اسی آن فسخ نکاح کا حق دیا ہے اس میں ایک بہت بڑی رعایت یہ بھی رکھی گئی ہے کہ اگر وہ علامتِ بلوغ ایسے موقع پر دیکھے جہاں اشہاد و شاہدین ممکن نہ ہو۔ مثلاً آدھی رات کو دیکھے (غسل خانے یا خانے وغیرہ میں دیکھے) تو وہ اپنی زبان سے اسی وقت کہہ دے کہ میں نے اپنا نکاح فسخ کیا۔ اور صبح ہوتے ہی گواہوں کے سامنے یوں بیان دیدے کہ میں نے تو ابھی ابھی علامتِ بلوغ دیکھی ہے اور میں نے اپنا نکاح فسخ کیا۔ یہ بیان جھوٹ تو ہوگا لیکن یہ جھوٹ اس کے لیے جائز ہوگا تاکہ اس کا حق فسخ باقی رہے۔ اور یہ ایک شرعی ضرورت ہے۔ وکالا
یعنی ان ہذا حالتہ ضرورۃ ہے

- اور

عقدۃ الریانیۃ کی عبارت یوں ہے۔

«فان مرداتہ لیلًا تطلب بلسانہا فتقول فسخت نکاحی و تشہد
اذا اصبحت و تقول دآیت الدم الان۔ قيل لمحمد کیف یصم
هذا و هو کذب فقال لا تصدق فی الا شہاد فجازلہا ان
تکذب کیلا یبطل حقہا»

اگر وہ علامتِ بلوغ دیر شب میں دیکھے تو زبان سے کہہ دے کہ میں نے نکاح فسخ کیا اور
جب صبح ہو جائے تو یہ کہہ کر گواہی دے کہ میں نے تو ابھی خون دیکھا ہے۔ امام محمد سے پوچھا
گیا کہ یہ کس طرح درست ہوگا جبکہ یہ جھوٹا بیان ہے؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ گواہی پیش
کرنے میں تو وہ سچی نہیں ہوگی لیکن یہ جھوٹ اس لیے جائز ہوگا کہ اس کا حق باطل نہ ہو جائے۔

۴۵ الفقه علی المذاہب الاربعہ ج ۲، ص ۲۱

۴۸ الفقه علی المذاہب الاربعہ ج ۲، ص ۳۱، ۳۲

۴۹ شرح وقایہ جلد ۲، ص ۲۲، حاشیہ ۲

تصدیق قاضی

اور پھر یہ بھی واضح رہے کہ فسخ اتنی آسانی سے نہیں ہو جائے گا۔ بلکہ اس بالغ کے فسخ کرنے کے بعد وہ تفریق بین الزوجین کے لیے تصدیق قاضی کی محتاج رہے گی۔

ثبوت کا سکوت

احناف نے ایک بڑا حق اور یہ دیا ہے کہ نابالغہ اگر ثبوت ہو (خواہ پہلے سے ہو یا اس کے سابق شوہر نے کر دیا ہو) تو بالغ ہونے کے بعد اس کا محض سکوت کافی نہیں۔ اپنے قول یا عمل سے اگر رضامندی نہ ظاہر کی ہو تو اسے حق فسخ ساری عمر رہے گا۔ (ایضاً ایضاً)

بے بسی کی انتہا

مندرجہ بالا اقتباسات پڑھنے سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ احناف نے نابالغہ کو اتنا زیادہ بے بس کر دیا ہے کہ جس سے زیادہ بے بسی کا تصور بھی مشکل ہے۔ باپ دادا تو وہ ولی مجرب ہیں کہ غیر کفو میں بیاہ دیں یا مہر میں غبن فاحش سے کام لیں یا فاسق کے حوالے کر دیں کچھ بھی کریں اس بے چاری کو زندگی کی آخری سانس تک بھی حق فسخ نہیں۔ اس طرح بیاہ دینا، حقیقہ کی اصطلاح میں ”سوئے اختیار“ ہے مگر نکاح میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ اور لڑکی فسخ کے معاملے میں بے بس ہی رہے گی۔ ہاں اگر دوسری بچی کے ساتھ بھی ”سوئے اختیار“ سے کام لیا ہو تو اس دوسری کو فسخ کا وہ اختیار مل جائے گا جو باپ دادا کے علاوہ دوسرے ولی مجرب کے کرائے ہوئے نکاح میں ملتا ہے (اس کا ذکر آگے آئے گا) گویا دو بچیوں کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ ہے لیکن دونوں کے احکام میں فرق ہو جاتا ہے۔ پہلی بے اختیار ہے اور دوسری کو تھوڑا سا اختیار مل جاتا ہے۔

دوسری کو جو اختیار مل جاتا ہے وہ ایسا اختیار ہے جو (باپ دادا کے علاوہ)

۱۰۰ الفقه علی المذاہب الاربعہ ج ۳ ص ۲۱

ازدادی معاملات سب کے سب قضای کے واسطے سے ہونے چاہئیں۔ یہ صرف خلع ہی کے لیے نہیں۔ مرد اگر طلاق دے تو اسے بھی قضا ہی کے راستے آنا چاہیے کئی اسلامی ملکوں یہ روایت رکھی گئی ہے اور یہ صحیح ہے۔

دوسرے ولی مجبر کے کرائے ہوئے نکاح میں ملتا ہے اور وہ ایک ایسا اختیار ہے جو سلب اختیار سے بھی بدتر ہے۔ یعنی وہ علامت بلوغ دیکھتے ہی یا بصورت لاعلمی علم نکاح ہوتے ہی دو سیکنڈ گزرنے سے پہلے گواہوں کے سامنے فسخ نکاح کا اعلان کرے اس کے بعد بھی قاضی کی تصدیق سے تفریق ہوگی۔ یعنی یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ دیہات کی ہر بچی بلوغ سے پہلے شرح وقایہ جلد ثانی تک فقہ ضرور جانتی ہے۔ لہذا ہر وقت اپنے ساتھ دو گواہوں کو بھی رکھتی ہوگی اور اتنی جرأت مندانہ جیا بھی رکھتی ہوگی کہ اگر دونوں گواہ کسی شب اس کے قریب نہ سوئے ہوں کہ وہ جگا سکے یا غسل خانے یا بیت الخلاء کے دروازے پر کسی وقت موجود نہ ہوں تو ایسی صورتوں میں وہ یہ ”مقدس بھوٹ“ بول سکتی ہے کہ اسی وقت میرے اپنی علامت بلوغ دیکھ کر اپنا نکاح فسخ کر دیا ہے اور دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ علامت بلوغ دیکھنے سے دو سیکنڈ پہلے تک وہ قوت فیصلہ سے عاری، بے عقل اور بے اختیار تھی لیکن پہلا قطرہ خون دیکھتے ہی اتنی بڑی قوت فیصلہ کی مالک اور اس درجے ذہین و عاقل ہو جاتی ہے کہ ایک سیکنڈ کے اندر اندر اپنی زندگی کے مستقبل کے تمام نشیب و فراز کی تہہ تک پہنچ جاتی ہے اور فوراً اپنے شوہر کے بارے میں کوئی تحقیق کیے بغیر فیصلہ کر لیتی ہے۔ کہ میرا اس سے نباہ ہو سکتا ہے یا نہیں۔ پہلے قطرہ خون کے اس اعجاز سے انکار کی کون جرات کر سکتا ہے؟

شفقت اور سونے اختیار کا اجتماع

پھر ایک اور نکتہ بھی ملاحظہ ہو۔ ولی مجبر (باپ و دادا) کو جو لانا نہایت اختیارات دیے گئے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ چھوٹی اولاد پر وہ زیادہ شفقت ہوتا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا لڑکی کے بالغ ہونے کے بعد باپ و دادا کی شفقت عداوت میں تبدیل ہو جاتی ہے؟ پھر بالغہ کے بارے میں باپ و دادا شرعاً بے اختیار کیوں ہو جاتے ہیں؟ یہ شفقت کی کون سی قسم ہے کہ نابالغہ اتنی بے اختیار ہو کہ بالغ ہونے کے بعد بھی وہ بے بس ہی رہے؟ صرف ایک سیکنڈ کے لیے اسے اختیار فسخ حاصل ہو وہ بھی اس وقت جب کہ ولی مجبر پہلے سونے اختیار کا مرتکب ہو چکا ہو۔

ایک سوال اور بھی ہے کہ جب بالغ ہو کر اس کے لیے جھوٹ جائز ہے اس لیے کہ یہ ایک شرعی ضرورت ہے تو شرعی ہی ضرورت سے ولی مجبر کے اختیارات میں کمی اور لڑکی کے اختیارات میں توسیع کیوں نہیں ہو سکتی؟ اور سوئے اختیار میں بہت سی دوسری بدعنوانیوں کو کیوں داخل نہیں کیا جاسکتا؟ جھوٹ تو بہر حال ایک لعنت ہے۔ کتاب سنت میں ہر جگہ اس کی ممانعت ہے لیکن کتاب و سنت میں نہ کہیں ولی مجبر کو اتنے اختیارات دیے گئے ہیں اور نہ لڑکی کے اختیارات اس قدر سلب کیے گئے ہیں۔

باپ دادا کی شفقت سے کون انکار کر سکتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ باپ دادا کو اتنا شفیق ماننے کے باوجود ان سے سوئے اختیار کا یہ خطرہ کیوں ہے کہ کہیں وہ غیر کفو سے نہ بیاہ دیں یا مہر میں غبن فاحش نہ کر بیٹھیں یا کسی فاسق سے بیوند نہ جوڑ دیں؟ اور اگر یہ خطرہ ہے اور بالکل صحیح خطرہ ہے تو شفیق ماننے کے بعد ولی کو جتنے بے پناہ اختیارات دیے گئے ہیں کیا سوئے اختیار کے بعد اتنا ہی سلب اختیار کیا گیا ہے یا لڑکی کے اختیارات میں اتنا ہی اضافہ کیا گیا ہے؟ نہیں۔ بلکہ پہلی لڑکی کے ساتھ سوئے اختیار سے ولی کے اختیارات پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور ادھر لڑکی ویسی ہی بے اختیار رہتی ہے۔ ہاں دوسری لڑکی کے حق میں سوئے اختیار کو کام میں لانے سے صرف اتنا اثر پڑتا ہے کہ لڑکی کو علامت بلوغ دیکھتے ہی اسی آن دو گواہوں کے سامنے اعلان فسخ کا حق حاصل ہو جاتا ہے اور جیسا کہ آپ نے ابھی سن لیا کہ یہ حق سلب حق سے بھی بدتر ہے۔

سوئے اختیار "صرف تین نہیں"

ہم یہ گزارش کریں گے کہ سوئے اختیار میں وہی تین باتیں شامل نہیں۔ اسی وزن کی دوسری باتوں کو بھی سوئے اختیار میں داخل کر لینا چاہیے۔ نیز اولیا کے اختیارات گھٹا کر کچھ مزید اختیارات لڑکی کو بھی دینے چاہئیں۔ پھر اول و آخر کا فرق بھی نہیں ہونا چاہیے۔ سوئے اختیار وہ تجارتی کاروبار بھی ہے جو یہاں عام طور پر نکاح یا شادی کے نام سے کیا جاتا ہے اور زرمہر پر اولیا قبضہ کر لیتے ہیں۔ (۲) شوہروں کا بیویوں کو معلق رکھ کر طلاق کی قیمت وصول کرنا بھی سوئے اختیار ہے۔ (۳) بھاری جہیز اور

تک ”کا مطالبہ اور لڑکیوں کو جاہل رکھنا بھی سوئے اختیار میں داخل ہے۔ یہ کیا تماشا ہے کہ جاہل تو باپ رکھے اور سزا بھگتے لڑکی۔ یعنی اسے کیوں یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا کہ بالغ ہوتے ہی اسی آن اعلان نسخ نہ کرے تو اس کا نکاح ناقابل نسخ ہو جاتا ہے۔ سوئے اختیار صرف وہی نہیں جو اپنی لڑکی کے خلاف استعمال ہو۔ اپنے دوسرے اقربا، بیوی بہن بھائی اور والدین وغیرہ کی حق تلفی کرنے والے کے متعلق یہ کیوں فرض کر لیا جائے کہ وہ اپنی لڑکیوں کے حق میں ضرور حسن اختیار ہی سے کام لے گا؟ کیا اپنی بیٹیوں کو ترکہ نہ دینے والے باپ سوئے اختیار کے مرتکب نہیں؟ یہ حق تلفیاں مہر مثل میں کمی زیادتی کرنے یا غیر کفو میں بیاہ دینے یا فاسق سے نکاح کرنے سے کہیں بدتر سوئے اختیار ہیں۔ پہلا فاسق تو وہ خود ہے جو ان صریح حق تلفیوں کا غلی الاعلان ارتکاب کر رہا ہے۔ وہ تو ہرگز اتنے لامحدود اختیارات کا مستحق نہیں ہو سکتا کہ لڑکی کلیتہً بے اختیار ہو کر رہ جائے۔

اختیارات نبویؐ کی ہمسری

اس قسم کے اتھاہ یا اختیارات صرف پیغمبر کے لیے مخصوص ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

۱۔ النبى اولى بالمؤمنين من انفسهم

”نبی اہل ایمان پر خود ان کی ذات سے بھی زیادہ اختیار رکھتا ہے۔“

۲۔ ما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله ان

يكون لهما الخيرة من امرهم۔

”کسی مرد و زن کو جب اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کر دے کوئی اختیار ان کے اپنے معاملے میں باقی نہیں رہتا۔“

پس جو اختیارات اللہ اور اس کے رسول نے باپ دادا کو نہیں دیے وہ کوئی

اور نہیں دے سکتا۔ ہم صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ ”ولی مجبر“ کے ان لامحدود اختیارات

اور لڑکیوں ان بے اختیاروں کے پیکر کسی نص ہے جس کی بنیاد پر یہ فقہی عمارت کھڑی کی گئی ہے۔

ولی مجبر کی فقہی اصطلاح

ولی مجبر کی کوئی اصطلاح کتاب و سنت میں موجود نہیں۔ یہ صرف فقہاء کی اصطلاح

ہے۔ فقہاء کی ہر اصطلاح قابل اعتراض یا قابل ترک نہیں بلکہ کتاب و سنت میں کوئی

حکم بنیاد نہ ملتی ہو بلکہ وہ فقہاء کی محض ایک رائے ہو اور وہ حرج عظیم۔۔۔ سلب حریت و اختیار۔۔۔ کا سبب ہو تو ایسی اصطلاح نہ واجب العمل شے ہے۔ نہ کوئی ناقابل ترمیم شرعی قانون۔۔۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ صغر سنی کی شادی کے جواز کے لیے یہ اصطلاح وضع ہوئی ہے۔ یہ ہم اس لیے عرض کر رہے ہیں کہ شریعت کے اصل ماخذ کتاب و سنت میں کم سنی کی شادی کا ہمیں کوئی مستند سراغ نہیں ملتا۔

ولی مجبر کے لیے غلط استدلال

جن آیات یا حدیث سے اس کا جواز نکالا جاتا ہے۔ ان سے استدلال ہی صحیح نہیں۔ مثلاً۔
۱۔ ایک آیت یہ پیش کی جاتی ہے۔

وَالَّذِي يَتَسَوَّى مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نَسَائِكُمْ إِنْ رَأَيْتُمْ فَعَدَّتْكُمْ
ثَلَاثَةَ أَشْهُرٍ وَالَّتِي لَا يَحِضْنَ۔

”تمہاری عورتوں میں جو آئسہ ہو چکی ہوں اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت (بعد از طلاق) تین ماہ ہے اور ان کی بھی جنھیں ماہواری نہ آئی ہو۔“

واقعی لہٰذا یحضن (جنھیں ماہواری نہ آئی ہو) سے نابالغہ مراد لی جاتی ہے حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ تن نساءکم کا لفظ اس کی تائید نہیں کرتا۔ ”نساء“ بالغ عورتوں کو کہتے ہیں نہ کہ کم سن بچیوں کو۔ کم سن بچی کے لیے صغیرہ وغیرہ کے الفاظ ہیں نہ کہ نساء کا لفظ۔ نساء کے معنی اگر نہیں مجازاً کم سن لڑکی کے لیے بھی لیے جاتیں تو اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ حقیقی معنی وہاں نہ لیے جاسکتے ہوں۔ اب سوال یہ ہے کہ لہٰذا یحضن (جنھیں ماہواری نہ آئی ہو) سے کیا مراد ہے؟ اس سے مراد وہ بالغ عورتیں ہیں جنھیں خون کی کمی یا کسی اور نسوانی مرض کی وجہ سے عرصہ دراز سے ماہواری نہ آئی ہو اور اسی اثنا میں انھیں طلاق دے دی گئی ہو۔ ایسی عورتوں کی صورت حال جوان ہونے کے بعد ویسی ہی رہ جاتی ہے جیسی کہ سنی کی وجہ سے آئسہ عورتوں کی ہوتی ہے۔ بالغ دونوں ہوتی ہیں۔ ایک کو بڑھاپے کے تباہنے سے ماہواری نہیں آتی اور دوسری کو اینیمیا (خون کی کمی) یا دیگر نسوانی مرض کی وجہ سے۔ دنیا میں ایسی عورتوں کی کمی نہیں۔ لفظ نساء کے ہوتے ہوئے مفسرین کا یہ لکھ

دینا کہ ”لحم یحضن“ سے مراد صغیرہ نابالغہ ہے۔ ہمارے لیے کوئی واجب التسلیم حجت نہیں۔

اس کے علاوہ یہاں انہی عورتوں کی عدتِ طلاق کا ذکر ہے جن سے خلوت ہو چکی ہو۔ (کیونکہ جنہیں چھو بھی نہ گیا ہو۔ ان کی کوئی عدت ہی نہیں) اور کم سن بچی یا نابالغہ سے خلوت کا تصور اگر گھناؤنا نہیں تو ناریباً یقیناً ہے۔ ایسا تصور ایک خالص اسلامی سوسائٹی اور رسول صلوات اللہ علیہم کو تو بالکل زریب نہیں دیتا۔ سن رسیدہ باکرہ کا تصور تو ہو سکتا ہے۔ لیکن صغیرہ ثیبہ کا ذکر خدا جانے کیوں ہماری فقہ کی کتابوں (کتاب النکاح اور کتاب الطلاق) میں باہر آتا ہے۔ ایک صغیرہ کو ثیبہ کرنا انتہائی جنسی بے صبری کا غماز ہے۔ قرآن کریم سے ہم یہ توقع تو کر سکتے ہیں کہ اس بے صبری سے روکے لیکن یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ اس کی کھلی چھٹی دے۔ نکاح کا مقصد اگر ہو س رانی نہیں بلکہ حصول اولاد ہے تو صغیرہ سے کون شخص معجزانہ طور پر اولاد لے سکتا ہے؟

قرآن کیا کہتا ہے؟

ہم یہ بلاوجہ نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ قرآن نے محض اشاروں میں نہیں بلکہ کسی قدر وضاحت سے بتایا ہے کہ صغیرہ کا نکاح کیا جائے۔

حتى اذا بلغوا النکاح فان انستم منهم رشداً فادفعوا الیہم۔ اموالہم۔۔۔۔۔“

”اے اولیائے یتامی! جب وہ یتامی نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں۔ جب بھی ان کے اندر رشیدیگی ہو تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔“

اس ہدایت میں دو نکتے خاص طور پر قابل غور ہیں۔

۱۔ یہاں نکاح کے لیے جو عمر بتائی گئی ہے اس کے لیے بلوغ کا لفظ لایا گیا ہے۔ بلوغ کے لغوی

”معنی ہیں پہنچنا۔ جو ان کو بالغ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ عمر کی اس منزل میں قدم رکھتا ہے جہاں پہنچ کر اس کے اندر نکاح کی طلب شروع ہو جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ ”بلوغ النکاح“۔ ذرا قرآن نے یہ بتا دیا ہے کہ نکاح کی عمر بلوغ سے شروع ہوتی ہے

نہ کہ اس سے پہلے۔

۲۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ یتیموں کا مال ان کے حوالے کرنے کے لیے صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ وہ بالغ ہو جائیں بلکہ ”رشد“ پیدا ہو جانے کی شرط ہے۔ یعنی وہ زندہ گو، گو، کے نشیب و فراز سے واقف ہو جائیں اور مال کو سنبھالنے اور اس کا صحیح مصرف لینے کو صلاحیت پیدا کریں۔ اگر ان میں اتنی تمیز و رشاد موجود نہ ہو اور یہ خطرہ ہو کہ اپنی بیوقوفی سے مال اڑا کر برباد کر دیں گے تو ان کا مال ان کے حوالے نہیں کرنا چاہیے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

لَا تُوْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا۔

اپنا مال جسے اللہ نے تمہارے قیام کا ذریعہ بنایا ہے بے وقوفوں کے حوالے نہ کرو۔

اب آپ خود ہی سوچیں کہ خدا تعالیٰ مال کی حوالگی میں اتنی احتیاد کی تاکید فرماتا ہو، اور بلوغ ہی نہیں بلکہ رشد کی بھی قید لگاتا ہو، اس کی نشا ہوں میں نکاح۔۔۔۔۔ زوجین کا اپنی زندگیوں ایک دوسرے کے حوالے کرنا۔۔۔ اتنی حقیر اور مال سے بھی کم تر شے ہے کہ اس کے لیے رشد تو الگ رہم بلوغ کی بھی شرط نہ ہو؟ یا اللعجب! ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ بلوغ و النکاح فرما کر خدانے کم سنی کی شادی کا سلسلہ ہی بند کر دیا ہے۔ خیر القرون میں کم سن لڑکیوں کی شادی اور پھر ان کو شہیدہ کرنے کی مثال نہیں ملتی۔ اور اگر مل جائے تو یہ سب کچھ لیا جاسیے کہ وہ اس آیت کے نزول سے پہلے کی بات ہے (اس کی مزید تفصیلات آگے آتی ہیں)

دوسرا غلط استدلال

دوسری نص جس سے نابالغہ کی شادی پر استدلال کیا جا سکتا ہے یہ آیت قرآنی ہے:

وَاَنْتُمْ كَحَوَالِ الْاَيَامِ مِنْكُمْ وَاَرْصَادِ حَيْرَانَ عِبَادِ كَسَمَّوْا

امانتکم۔۔۔۔۔

اپنے (سزا) بے زوجوں اور قابل شادی زیر دستوں، (سردوزن) کا نثر کرادو۔

یہاں ”نکاح کرادو“ کا مفہوم یہ ہے ہی نہیں کہ ان سے پوچھنے یا انکسار دینے، بغیر ہی

جہاں چاہو نکاح کرادو۔ اور اگر ان کی مرضی نہ ہو تو جبراً نکاح کرادو۔ آیت کا مفہوم صرف

اسی قدر ہے کہ ان کے بیاہنے میں تردد نہ ہو۔ اور ان کا سامان کیم پہنچاؤ۔ ای۔۔۔

(جمع ایسا ہلی) کے معنی میں بے زوج۔ خواہ مرد ہو یا عورت، کنوارہ ہو یا زانڈ اور عورت باکرہ ہو یا ثیبہ۔ مطلقہ ہو یا بیوہ۔ اس لیے اگر اس آیت سے نابالغہ کے جبری نکاح کی دلیل لائی جاسکتی ہے تو اسی آیت سے بالغ ثیبہ کا جبری نکاح بھی درست ہونا چاہیے حالانکہ ایک متنفس بھی اس کا قائل نہیں۔ پس انکاح کے معنی نہ جبری نکاح کرانے کے ہیں اور نہ "رم" کے معنی صرف نابالغہ باکرہ کے ہیں۔ لہذا اس آیت سے نکاح نابالغہ اور وہ بھی جبری کا استدلال ہی صحیح نہیں۔

سیدہ عائشہ کی غلط مثال

اب صرف ایک بحث رہ جاتی ہے کہ سنت — خیر القرون کی اسلامی سوسائٹی میں نکاح نابالغہ کی کوئی نظیر ملتی ہے یا نہیں۔ ہمیں کتب احادیث میں صرف ایک نظیر ملتی ہے جو اولاً تو واذا بلغوا النکاح سے پہلے کی ہے۔ اس کے علاوہ اب یہ حقیقت آئینے کی طرح واضح ہو چکی ہے کہ یہ قسم ہی غلط ہے۔ صحیح سنہ میں حضرت عائشہ کا بیان یوں ہے کہ: تزوجنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا بنت

سنت و بنی بی وانا بنت تسع

۹ آنحضرت سے میری شادی چھ سال کی عمر میں اور رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی۔

کئی روایتوں میں چھ کی بجائے سات سال ہے، مگر یہ روایت کئی وجوہ سے محل نظر ہے۔

۱۔ سیدہ عائشہ صلوات اللہ علیہا کی شادی شوال ۱۰ ہجری میں — سیدہ خدیجہ

سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد ہوئی۔ اور رخصتی شوال ۲ھ میں ہوئی۔ اس نکاح اور

رخصتی کے درمیان پورے پانچ سال کا وقفہ ہے۔ پس اگر نکاح کے وقت آپ کی عمر چھ یا

سات سال تھی تو رخصتی کے وقت عمر گیارہ یا بارہ سال کی ہوگی نہ کہ نو سال کی۔ اگر رخصتی

نو سال کی عمر میں ہوئی تو نکاح چار سال کی عمر میں ہونا چاہیے نہ کہ چھ یا سات کی عمر میں۔ پس

یہ روایت اپنے اندر جو داخل تضاد رکھتی ہے پہلے اس کا حل تلاش کر لیجیے۔

۲۔ جناب عائشہ سے آپ کی علاقہ بہن حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیقہ دس سال

بڑی تھیں اور حضرت اسماء ہجرت سے ۲ سال پہلے پیدا ہوئی تھیں۔ لہذا ۲ھ میں انہیں ۲۹

بریں کی تھیں۔ لہذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے وقت انہیں ۱۹ سال کی ہوئیں۔
اسما بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا

ولدت سنة ۲۷ قبل الهجرة وهي اكبر من اخنوخا لابيها
عائشة ام المؤمنين بعشر سنين۔

”ہجرت سے ۲۷ سال پہلے پیدا ہوئی تھیں اور وہ اپنی علقی بہن ام المؤمنین عائشہ سے
دس سال بڑی تھیں۔“

خیر الدین زبیر علی کی الاعلام ج ۱، ص ۲۹۸ میں ہے۔
ذات النطاقین (المتوفات) سنة ۷۳ عافت مائة سنة...
ذات النطاقین (اسما بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا) کا سن وفات ۷۳ ہے۔ اور وہ
پورے سو سال زندہ رہیں۔“

دوسرے لفظوں میں حضرت اسما کی عمر ۱۷ھ میں ۲۸/۲۹ سال کی اور حضرت عائشہ کی
عمر ۱۸/۱۹ سال ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ دوسرے دلائل بھی ہیں جس کا ہم نے مختلف مضامین میں ذکر کیا ہے۔
لیکن ان میں کچھ کلام بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے اسے یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔
بہ حال سیدہ عائشہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کے متعلق نو سال کی عمر میں رخصتی کا واقعہ محض قیاسی شکل
نہ ہوتا بلکہ دو اور دو چار کی طرح واضح ہوتا تو اس سے نکاح نابالغہ کے جواز پر استدلال صحیح
ہوتا لیکن یہاں تو بالکل دو اور دو چار کی طرح واضح ہے کہ نو کا حساب ہی سرے سے غلط
ہے۔ اب ہم اگر مسلسل ”مکھی بہ مکھی“ غلطی کا تجربہ کریں تو یہ معلوم ہوگا کہ یا تو لڑکی سے عشرت
(دہائیاں) حذف ہو گئے ہیں یا اختصار کلام کے لیے دہائیوں کے حذف کا دستور ہوگا۔ آج بھی
جب ہم ”۵۷ء کا جہاد آزادی“ بولتے ہیں تو اس سے مراد ۱۸۵۷ء ہوتا ہے اور جب ہم کہتے
ہیں کہ ۱۹۴۷ء میں پاکستان بنا تو اس سے ۱۹۴۷ء ہی مراد لیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ
ذراصل تسع عشر سنة (۱۹) سے اختصار کلام کے لیے صرف تسع کہہ دیا گیا ہے۔

غلط مثال کی دشواریاں

اور فرض کیجیے کہ پورے خیر القرون کی تاریخ میں کم سنی کی شادی کی صرف یہی ایک مثال صحیح تسلیم کر بھی لی جائے تو کئی دشواریاں پیش آئیں گی۔ مثلاً :

۱۔ نکاح کا اصل فریق ولی نہیں بلکہ عورت ہے اور نکاح ایک ایسا مقدس شریعی معاہدہ ہے جو زن و مرد کے درمیان ازدواجی زندگی بسر کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ یہ معاہدہ اس وقت درست ہو سکتا ہے جب دونوں عاقل و بالغ ہوں بلکہ ان میں اتنا رشد بھی ہو کہ وہ زندگی کے نشیب و فراز کو سمجھ سکیں اور اپنی پسند سے اپنا شریک زندگی منتخب کر سکیں۔ خود قرآن نے بھی اسے گاڑھا معاہدہ ہی قرار دیا ہے۔

واخذن ممشکاً مینثاقاً غایباً

ان عورتوں نے (نکاح کر کے) تم سے گاڑھا معاہدہ حاصل کیا ہے۔

ازدواج جیسی اہم ذمے داری کو سنبھالنے کے لیے اولیا بہتر رائے دے سکتے ہیں۔ ہر ممکن اعانت کر سکتے ہیں لیکن زرد و قبول کا اختیار مرد کی طرح عورت کا بھی ایک پیدائشی حق ہے جو اسلام کا سب سے بڑا عطیہ ہے۔ اسے سب کرنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ چارچھ سال کی بچی کو ان تمام باتوں کا کیا شعور ہو سکتا ہے؟ تاآنکہ وہ عاقل و بالغ اور صاحب رشد نہ ہو جائے۔

نکاح نہیں منگنی

یہ صحیح ہے کہ بعض مخصوص حالات میں ایک مشفق ولی اپنی نابالغ اولاد کا رشتہ جوڑنے کی آرزو کرتا ہے۔ اس وقت بچی مشورہ سمجھنے کے قابل نہیں ہوتی اور ولی کو یہ نظر ہوتا ہے کہ میری زندگی جلدی ہی ختم ہونے والی ہے اور میں اپنی زندگی میں رشتے کا اہتمام کر کے خوش خوش دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔ ایسا نہ ہو کہ ایک بہتر رشتہ ہاتھ سے نکل جائے یا اسی قسم بعض اور مجبوریاں بھی ہو سکتی ہیں۔ ایسی تمام صورتوں میں ولی کو رشتہ جوڑنے کا حق ملنا چاہیے لیکن یہ وہی چیز ہے جسے عام عرف میں "منگنی" کہتے ہیں۔ یہ نکاح نہیں ہوتا صرف ایک خوش آئند وعدہ نکاح ہوتا ہے اور فرض کیجیے ایسے موقع پر ہم اپنے فقہاء کے کہنے کے مطابق نکاح کو تسلیم کر بھی لیں تو یہ ایسا نکاح نہیں ہوتا کہ اگر ولی مجبر کرے تو ساری عمر کے لیے لڑکی

کا حق فسخ سلب ہو جائے اور اگر غیر مجبر کرائے تو اسے مضحکہ خیز قسم کا ایسا حق فسخ حاصل ہو جو سلب
 حق سے بھی بدتر ہے۔ یعنی یا تو وہ پہلا قطرہ خون دیکھتے ہی اسی آن گواہوں کے سامنے اعلان
 فسخ کر دے اور اس کے بعد بھی تصدیق قاضی کی محتاج رہے یا پھر جھوٹا بولے (جیسا کہ اوپر
 گزر چکا ہے)۔ اگر پورے دفتر سنت کی ایک۔۔۔ اور وہ بھی غلط۔۔۔ نظیر سے کم سنی
 کے نکاح کو صحیح تسلیم کر بھی لیا جائے تو اسے اتنا بے بس نہیں ہونا چاہیے کہ اپنی ہزار نفروں
 کے باوجود بالغہ ہو کر بھی اسے فسخ نہ کر سکے۔ آخر کتاب و سنت کی وہ کونسی نص ہے جس کی
 بنیاد پر ولی کے اتنے لامحدود اختیارات اور عورت کی اس درجے بے بسی و بے اختیاری کی
 عمارت کھڑی کی گئی ہے؟ نابالغی کے نکاح کے بعد اسے بالغ ہو کر رد و قبول کا وہی حق ملنا
 چاہیے جو قبل از نکاح ایک بالغہ کو حاصل ہوتا ہے۔ پھر کوئی ایسی نظیر بھی بتائیے کہ خیراترون
 میں کسی نابالغہ کا نکاح اس کے ولی نے کر دیا ہو تو اسے صرف یہ حق ملا ہو کہ پہلا قطرہ خون
 دیکھتے ہی اسی آن گواہوں کے سامنے سچ یا جھوٹ بول کر اعلان فسخ کر دے۔ اس کے بعد
 بھی قاضی سے تصدیق کرائے ورنہ اسی طرح زنجیریں بے بس قیدی کی طرح جکڑی رہے۔ یہی وہ
 بے بنیاد فقہی مسئلہ ہے جس کی کورانہ تقلید نہ کرنے والا خارج از حنفیت یا خارج از دین
 ہو جاتا ہے؟

دوسری دشواری

دوسری خرابی جو سیدہ عائشہ کی نو سال کی عمر میں رخصتی کی روایت صحیح ماننے سے پیدا
 ہوتی ہے یہ ہے کہ دنیا کی مقدس ترین ہستی کے متعلق ہم یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ وہ اپنی
 پہلی شادی تو اس (خدیجہؓ) سے کرے جو اس سے پندرہ سال بڑی اور چالیس کی اوھٹ
 ہے۔ دوسری (سودہؓ) اس کی ہم عمر چالیس سال کی بڑھی ہے لیکن تیسری ایسی جو نکاح
 کے وقت صرف چار یا چھ سال کی ہے اور بوقت رخصتی صرف نو سال کی نابالغہ۔ ہم تو
 یہ سوچنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتے۔

ایک استثنائی واقعہ

یہ وہ ایسا واقعہ ہے جو پانچ کی طرح غلط ہونے کے باوجود اگر صحیح بھی مان لی جائے تو یہ

ایک ایسی واحد اور استثنائی مثال ہے جو دوسرے مخصوص مستثنیات کی طرح ہمارے لیے نا واجب العمل اور انفرادی خصائص میں داخل ہے۔ اس کی ایک مثال سنیے۔

»عن عائشہ قالت جاءت سمیلة بنت سحییل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ انی ارعای فی وجہ ابی حذیفۃ الکراہیۃ من دخول سالہ علیّ - فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ارضعہ قالت کیف ارضعہ وهو رجل کبیر - فبتسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم - وقان قد علمت انه رجل کبیر - ففعلت فانت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتالت ما رايت فی وجہ ابی حذیفۃ شیئا کراهیة -

سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ سہلہ بنت سہیل نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ سالم (میرا متبنی) میرے پاس آتا ہے تو میں (اپنے شوہر) ابو حذیفہ کے چہرے پر ناگواری محسوس کرتی ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا اس (متبنی) کو دودھ پلا دو۔ بولی وہ تو وہ خاصا بڑا ہے اسے میں دودھ کیسے پلاؤں؟ حضورؐ مسکرائے اور فرمایا کہ مجھے علم ہے کہ وہ بڑا ہے۔ عرض سہلہ نے اسے دودھ پلا دیا۔ اس کے بعد حضورؐ کے پاس آکر کہا۔ اب ابو حذیفہ کے چہرے پر کوئی ناگواری کا اثر نہیں دیکھتی۔

فرمائیے! حدیث میں ایک مثال یہ بھی موجود ہے کہ رضاعت کی حد سے گزرے ہوئے نوجوان کو دودھ پلا کر رضاعی فرزند بنا لیا گیا۔ تو کیا آج آپ بھی اس استثنائی واقعے کو سنبھانا کر جس بڑے آدمی کو چاہیں رضاعی بیٹا بنا لیں گے؟

اختیار کا زمانہ امتداد

یہاں ایک قابل غور نکتے پر بھی ذرا اوجہ دیجیے۔ لاہور سے ایک شخص بالغہ بچہ کی سے اذن

۱۲ سنن ابن ماجہ (باب رضاع البکیر) و ابوداؤد - (کتاب النکاح) و مسلم

(اب الرضاع) والنسائی (کتاب النکاح)

لے کر کراچی جاتا ہے۔ دوسرے دن پہنچتا ہے اور دوسرے دن نکاح بڑھا دیتا ہے۔ وہ نکاح صحیح ہو گا یا نہیں؟
 ضرور صحیح ہو گا لیکن نکاح سے ایک منٹ پہلے لڑکی خود پینچ کر یا کسی لہجی کے ہاتھ خط بھیج کر کہہ لو دیتی ہے
 کہ مجھے یہ نکاح بالکل منظور نہیں۔ تو کیا یہی فقہ کی رو سے دنیا کی کوئی طاقت جبراً اس کا نکاح کر سکتی
 ہے؟ ہرگز نہیں۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اذن دست چکنے کے بعد فسخ اذن کا حق کتنا ممتد ہو گیا۔ یہ دو
 دن کی مثال ہے اگر دو ماہ یا دو سال کا فاصلہ بھی (اذن اور نکاح کے درمیان) حائل ہو تو طبی بالغہ کا
 حق فسخ باقی رہے گا۔ یہ صحیح ہے کہ یہ فسخ نکاح نہیں کیونکہ نکاح تو ہوا ہی نہیں لیکن اس سے کون انکار کر سکتا
 ہے کہ ”یہ فسخ اذن“ اس وقت تک ممتد رہے گا جب تک اس کا نکاح نہیں ہو جاتا۔ اب سوال صرف یہ ہے
 کہ یہی حق اس بالغہ کیوں نہیں مل سکتا جس کا نکاح محل اذن بالغ ہونے سے پہلے ہی کر دیا گیا ہے؟ بلوغ سے
 پہلے وہ اذن کا محل ہی نہیں تھی اس لیے بلا اذن اس کا نکاح ولی نے کر دیا۔ مگر یہ ولی اس لڑکی کا وہی حق کیسے
 طلب کر سکتا ہے جو دراصل بلوغ ہونے کی صورت میں اسے حاصل رہتا ہے؟ اور اگر ولی غیر مجبر کی صورت
 میں اسے پہلا فطرہ خون دیکھتے ایک سیکنڈ کے لیے حق فسخ رہتا ہے تو یہ ایک سیکنڈ کا وقفہ کیا
 اس وقت تک ممتد نہیں ہو سکتا کہ وہ مذکورہ مثال کی طرح سوچ سمجھ کر قولاً یا عملاً فیصلہ کرنے
 کے قابل ہو جائے؟ اس ”ایک سیکنڈ“ کے لیے کون سی نص ہے؟ یہ زیادہ سے زیادہ ایک
 مجتہد اعظم کی اجتہادی و قیاسی رائے ہو سکتی ہے اور اس کی رائے اسی وقت تسلیم ہو سکتی
 ہے جب نقل و عقل سے اس کی تائید ہوتی ہو یا کم از کم تردید نہ ہوتی ہو۔ یہ تمام ادوار کے
 فقہاء کا حق ہے کہ وہ اپنے معاشقے، اپنے عصری تقاضوں اور اپنے احوال و ظروف کے
 مطابق ایک مناسب ”میعادِ رشد“ مقرر کر دیں تاکہ صغیرہ کو بلوغ کے بعد اپنا نکاح باقی
 رکھنے یا فسخ کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ اس میں باکرہ و ثیبہ نیز ولی مجبر و غیر مجبر کا مناسب
 فرق بھی رکھ لیا جائے۔ کیونکہ حرج نہیں۔ اور یہ تعین میعاد بھی صرف اس شکل میں ہے
 کہ کسی مجبوری سے نابالغہ کا نکاح کر دیا گیا ہو۔ ورنہ اصل قانون تو یہی ہونا چاہیے کہ نابالغہ
 کے نکاح کا سلسلہ ہی روک دیا جائے کیونکہ اس کی کوئی تائید کتاب و سنت میں نہیں
 ملتی۔ بہر حال متواتر فقہ کی رعایت کرتے ہوئے پاکستان میں ایسا قانون ہونا چاہیے
 کہ چند ایسی مجبوریوں کا قانون میں ذکر کر دیا جائے جن کے ہوتے ہوئے کسی ذمہ دار عالم

کی اجازت سے نابالغہ کا نکاح ہو اور بلوغ کے بعد رشد آنے تک قانونی طور پر اس کی رضا یا عدم رضا معلوم کر لی جائے۔ یہ عجیب تماشہ ہے کہ ایک طرف مجلس قانون ساز کی رکنیت صدر مملکت کے انتخاب کے لیے یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ بالغوں کی آزاد رائے لی جائے۔ لیکن دوسری طرف ”انتخاب شوہر“ میں یہ جبر کہ نابالغہ بالغ ہو کر بھی کوئی رائے ظاہر کرنے کی مجاز نہیں۔ اور صرف غیر مجبورولی کے کرائے ہوئے نکاح کے متعلق بلوغ کے بعد ایک سیکنڈ کے اندر فیصلہ دینے کی اجازت ہے وہ بھی دو گواہوں کے سامنے سچ یا جھوٹ بول کر اور وہ بھی تصدیق قاضی کے بعد۔

کیا ابھی مساوات ہے؟

یہ ہے اسلام کی عطا کردہ وہ حریت و مساوات مرد و زن جس کا ہر سٹیج پر وعظ کہا جاتا ہے۔ ہماری فقہی مساوات بین الزوجین یہ ہے کہ شوہر تین سیکنڈ میں دفعۃً تین طلاقیں لکھ دے کر گھر سے ہمیشہ کے لیے باہر نکال سکتا ہے۔ عین بیوی اگر جدا ہونا چاہے تو پہلے تو وہ یہ ثابت کرے کہ پہلا قطرہ خون دیکھتے ہی فلاں فلاں گواہوں کے سامنے نکاح فسخ کر دیا تھا۔ ورنہ جھوٹ بول دے کہ میں نے ابھی غلامت بلوغ دیکھی ہے۔ اور دروش گوئی کی ہمت نہ ہو تو وہ عدالت کے چکر میں پڑے۔ اس کے بعد ثابت کرے کہ شوہر ایک سال سے غنیمین (نامرد) ہے اور علاج کے باوجود ایک بار بھی اس اثنا میں وظیفہ جنسی نہ ادا کر سکا۔ یا یہ ثابت کرے کہ وہ بہت مارتا پیٹتا ہے۔ ظلم کرتا ہے، نان نفقہ نہیں دیتا وغیرہ وغیرہ۔ پھر اپنا مہر واپس کرے۔ اس کے بعد چٹکارا مل سکتا ہے۔ یہ ہے ہماری فقہی مساوات مرد و زن۔ ”نفس لباس لکھ و انتہ لباس لہن“ اور ”ولہن مثل الذی علیہن“ میں جو مساوات کی نعمت عطا کی گئی ہے اس کا یہ کتنا جواب مظاہرہ ہے۔ شوہر جدا ہونا چاہے

سلاہ عہد نبوت اور دور صدیقی اور دو سال خلافت فاروقی میں بیک وقت تین طلاقیں جمع تھیں۔ سیدنا عمرؓ نے ایک آرڈی نانس کے ذریعے اسے منغلظ قرار دیا۔ آرڈی نانس وقتی ہوتا ہے۔ لیکن ہماری چاروں فقہ نے اسے ازلی وابدی بنا دیا۔ اس پر مفصل بحث میری کتاب ”جہادی مسائل“ میں ملاحظہ فرمائیے۔

تو تین سیکنڈ کافی ہیں اور عورت کو عدالتی پیروی میں تین سال بھی لگ جائیں تو بھی مساوات میں کوئی فرق آتا۔ حالانکہ حدیث نبوی کی یہ نص موجود ہے کہ مرد کے برتاؤ اور دین و اخلاق وغیرہ میں کوئی نقص نہ ہو۔ جب بھی عورت صرف ناپسندیدگی کو جدا ہونے کی بنیاد بنا سکتی ہے اور عدالت مہر واپس دلا کر طلاق دلوادے گی یا تفریق کرادے گی۔

جنون کا نام خرد رکھ دیا

پابندیاں طلاق پر غائد کی گئی ہیں۔ (۱) طلاق احسن کا پسندیدہ ہونا (۲) بیعت حکیمین اور کوشش صلح (۳) ایک گھر میں سکونت (۴) نان و نفقہ کی ادائیگی (۵) حاملہ ہو تو فراغت تک کے اخراجات (۶) ولادت ہو تو سات سال تک حق حضانت دینا جس میں دودھ پلانے کی اجرت بھی شامل ہے۔ کتاب و سنت میں یہ تمام باتیں فوری جدائی میں رکاوٹیں پیدا کرنے کے لیے ہیں لیکن ان سب کو ترک کر کے ہم تین سیکنڈ میں اپنا کام نکال لیتے ہیں۔ اور عورت جدا ہونا چاہے تو اسے مہینوں کے چکر میں پھنسا دیتے ہیں۔ اس کے باوجود ہمارا دعوئے مساوات قائم رہتا ہے۔

خلاصہ کلام

اوپر کی پوری بحث کا خلاصہ چند لفظوں میں یوں ہے کہ:

۱۔ ولی مجری کی فقہی اصطلاح کتاب و سنت میں نہیں۔

۲۔ نابالغہ کو بیاہنے کا کوئی حکم کتاب و سنت میں ہے نہ خیر القرون کی تاریخ میں۔

اس لیے اسے قانوناً روک دینا چاہیے۔

۳۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نابالغی میں نکاح و رخصتی کا واقعہ محل نظر ہے۔

۴۔ تاہم بعض مجبور یوں میں نابالغی کے نکاح کی اجازت دینے میں حرج نہیں۔

۵۔ نیکین اسے بالغ ہونے کے بعد ایک مقررہ میعاد تک فسخ کا حق دینا چاہیے۔

اس سے اسلام میں کوئی فرق نہیں آتا۔

۶۔ ہماری فقہ میں مرد تو چند سیکنڈ میں طلاق دے کر چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے لیکن

عورت چھٹکارا مانگا ہے تو قاضی کی محتاج رہتا ہے۔ نکاح، طلاق، خلع اور تمام متعلقہ

عائلی معاملات ورافضل قضا سے متعلق ہیں اس لیے عورتوں کی طرح مردوں کو بھی ان معاملات میں عدالت ہی کے فیصلوں کا پابند ہونا چاہیے۔

مسئلہ شافعیہ

الگ زاویہ نگاہ

شواہح کے نزدیک ولی مجبر صرف باپ یا دادا ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک بھی ولی مجبر کا کرایا ہوا نکاح ناقابل فسخ ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ حنفیہ کے ہاں اجبار کی غایت نابالغی ہے اور شافعیہ کے نزدیک بکارت ہے۔ یعنی حنفیہ کے ہاں لڑکی خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ اگر وہ نابالغہ ہے تو ولی کو چاہے کہ اس سے بچھے اور اطلاع دیے بغیر ہی جہاں چاہے بیاہ دے اور شافعیہ کے نزدیک لڑکی بالغہ ہو یا نابالغہ اگر وہ باکرہ ہے تو اس کی مرضی کے بغیر ولی مجبر جہاں چاہے بیاہ سکتا ہے۔ لیکن ثیبہ ہے تو خواہ نابالغہ بن کیوں نہ ہو اس کی مرضی کے بغیر اسے کہیں بھی نہیں بیاہا جا سکتا۔ شرح وقار صفحہ ۱۸۱ کی عبارت ملاحظہ ہو:-

اعلم ان ولاية الاجبار ثابتة على الصغیر دون البالغة عندنا وعند الشافعی ثابتة على البکر دون الثیب۔

لاہم حنفیوں کے نزدیک بالغہ پر جبری ولایت نہیں صرف نابالغہ پر ہے اور شافعیوں کے نزدیک باکرہ پر جبری ولایت ^{ہے} ہوگی ثیبہ پر نہیں ہوگی۔

صحت نکاح

ہاں شافعیوں کے ہاں اگر ولی مجبر نابالغہ کا نکاح کر دے تو یہ نکاح اس وقت صحیح ہوگا جب:-
۱۔ زوج لڑکی کا کفو ہو۔

۱۱۱ امام مالک کے نزدیک ولی مجبر صرف باپ ہوتا ہے (ملاحظہ ہو ہدایہ مجتہدانی ص ۲۹۶)

۱۱۲ مالکیہ کے ہاں باپ باکرہ کا ولی مجبر ہوتا ہے خواہ وہ کمین ہو یا بالغہ عاقلہ (ملاحظہ ہو الفقہ علی

المذاہب الاربعہ جلد ۲ ص ۱۳۳)

۲۔ اتنا صاحب حیثیت ہو کہ مہر ادا کر سکے۔

۳۔ ولی اور اس کی چچی کے درمیان کوئی ظاہری یا باطنی عداوت نہ ہو۔

۴۔ زوج اور اس کی چچی کے درمیان بھی کوئی ظاہری عداوت نہ ہو اور شوہر اس کے تنفر یا

کسی بڑے سلوک کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔

اگر ان چاروں شرطوں میں سے ایک شرط کا بھی نقصان ہو تو وہ نکاح ہی درست نہ ہوگا۔

یا اس سرے یا اس سرے

شافیہ ایک پہلو میں تو حنفیہ سے زیادہ ترقی پسند ہیں کہ ان کے نزدیک ولی مجبراً نابالغ

کا نکاح کرادے تو جب تک مذکورہ بالا چار شرطیں پوری نہ ہوں وہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔

لیکن دوسرے پہلو سے ان کا مسلک ایسا ہے جو حنفیہ سے بہت پیچھے ہے۔ نقلاً بھی اور عقلاً بھی۔

حنفیہ کے نزدیک اجبار کی علت کم سنی ہے۔ یہ بات تو سمجھ میں آسکتی ہے کیونکہ صغیرہ قوت فیصلہ

نہیں رکھتی اور باپ دادا سے یہی توقع ہو سکتی ہے کہ وہ اس کے بھلے کا کام کریں گے۔ لیکن

شافیہ کے نزدیک علت اجبار بکارت ہے۔ دوسرے لفظوں میں اگر پانچ یا چھ سال کی چچی

کی جان کو خطرے میں ڈال کر اس کا بواہوس شوہر شبیبہ کر ڈالے پھر طلاق دے دے یا مر

جائے تو صرف اتنی سی بات سے وہ چچی صاحب عقل و دانش اور قوت فیصلہ کی مالک بن

جائے گی اور ولی کو جبر کا اختیار نہیں رہے گا لیکن اگر وہ باکرہ ہے تو خواہ بچیس سال کی ہو اور

ڈبل ایم۔ اسے ہو وہ بے عقل ہی شمار ہوگی۔ اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کے حق سے

محروم رہے گی۔ ولی اس سے پوچھے بغیر اسے جہاں چاہے بیاہ دے۔ اسے جانا پڑے گا۔

وہ رشتہ اسے کتنا ہی ناپسند ہو مگر اسے مجال دم زدن نہیں ہوگی۔

احادیث کیا کہتی ہیں

یہ تو عقل کی باتیں ہوتیں۔ اگر آپ یہ فرما کر میں خاموش کرنا چاہیں کہ دین کے معاملے

۱۔ باطنی عداوت کا علم تو خدا ہی کو ہو سکتا ہے اس لیے اگر یہ نہ ہو تو نکاح درست ہوگا لیکن اس سے پہلے زبرد

میں جو باطنی عداوت کا ذکر ہے اس کا پتہ کیسے چلے گا؟

۲۔ نفقہ علی المذاہب الاربعہ، مطبوعہ مصر ۱۹۳۹ء، جلد ۴ ص ۳۵

میں عقل کو دخل نہیں تو کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ اس مسلک کو نقل کی کسوٹی پر بھی کس لیا جائے؟
ہم آپ کا تصور اس وقت اور لینا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد فیصلہ آپ خود کر لیجیے۔ چند
احادیث ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ان جاریۃ بکراً اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قد کورت
ان ابھانہا نر وجمھا وہی کاہتہ فخیرھا النبی صلی اللہ علیہ
وسلم۔ (ابوداؤد) "باب فی ابکر یزوجھا (عولاً یستأمرھا)
ابن ماجہ (باب من زوج انبتہ وہی کاہتہ۔ نسائی باب۔ بیہقی
(باب ما جاء فی نکاح الالباء الا بکار۔ احمد (فی مسندہ) خطیب
بخدادی (فی تاریخہ) ابن اثمان فی کتابہ۔ دارقطنی ص ۳۸۔
وغیرہم عن ابن عباس و ابن عمر و جابر و عائشہ و جبیر بن
مطعم و نافع)

"یعنی ایک باکرہ حضور کے پاس آئی اور کہا کہ اس کے باپ نے اس کا نکاح کر دیا ہے اور
وہ اسے ناپسند کرتی ہے۔ تو حضور نے اسے اختیار دے دیا (کہ وہ خواہ اس نکاح کو باقی
رکھے یا فسخ کر دے)"

۲۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم البکر تستأمر فی نفسها
واذنھا صما تھا (مسلم۔ باب استئذان الثیب فی النکاح و
البکر فی السکوت عن ابن عباس)
"حضور نے فرمایا کہ باکرہ سے اس کے بارے میں مشورہ کر لیا جائے اور اس کی
خاموشی اجازت ہے"

۳۔ ان من رجلا زوج ابنتہ وہی بکر من غیرا مرھا فاتت النبی
صلی اللہ علیہ وسلم ففراق بینھما (دارقطنی ص ۳۸ عن جابر)
"ایک شخص نے اپنی باکرہ بڑی کا نکاح اس سے پوچھے بغیر ہی کر دیا۔ وہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں (میاں بیوی)

۱۲۳۱۹۵

میں تفریق کرادی۔

۴۔ ان رجلا زوج ابنتک بکرا فکرت ذلک فرد النبی صلی اللہ

علیہ وسلم نکاحہا (دارقطنی ص ۳۸۸ عن ابن عمر)

ایک شخص نے اپنی باکرہ لڑکی کا نکاح کر دیا جسے اس نے ناپسند کیا تو حضورؐ

نے اس کا نکاح رد کر دیا۔

۵۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ینتزع النساء من اذہن

ثیباً و ابکاراً بعد ان یزوجہن الا باعماذا کراھن ذلک۔

(دارقطنی ص ۳۸۵ عن ابن عمر)

آن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان عورتوں کو شوہروں سے الگ فرما دیا کرتے

تھے خواہ وہ ثیبہ ہوں یا باکرہ جن کا نکاح ان کے باپ کر دیتے اور وہ اسے

ناپسند کرتیں۔

۶۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم رد نکاح بکرہ و ثیبہ انکحہا

ابوہا و ہما کادھتان فرد النبی صلی اللہ علیہ وسلم نکاحہا

(دارقطنی عن ابن عباس)

حضورؐ باکرہ اور ثیبہ دونوں ہی کے نکاحوں کو رد فرما دیتے تھے جن کو ان کے باپ نے

کر دیا ہو اور وہ اسے پسند نہ کرتی ہوں۔

۷۔ جاءت فتاة الى النبي صلی اللہ علیہ وسلم فقالت، یا رسول

اللہ ان ابی زوجنی ابن اخیہ لیسر ففی خبیثتہ فجعلا لایہما۔

فقالت انی قد اجزت ما صنع ابی ولكن اددت ان تعلم النساء

ان لیس الی الا باء من الامہ شیء عمہ نسائی باب ابکر یزوجہا ابوہا وھی

کارہة عن عائشہ و ابن ماجہ فی کتاب النکاح)

ایک جوان عورت نے حضورؐ کے پاس آ کر کہا کہ یا رسول اللہ میرے باپ نے اپنے

برادر زادے سے میرا نکاح کر دیا ہے تاکہ میرے ذریعے اس کی کتری دور کرے تو

حضور نے اس کا اختیار اسی کو دے دیا۔ پھر اس نے کہا کہ اب میں اپنے باپ کے کام کو قبول کرتی ہوں۔ میں تو یہ چاہتی تھی کہ عورتوں کو علم ہو جائے کہ باپوں کو اس معاملے میں کوئی دخل یا اختیار نہیں ہے۔

۸۔ الثیب احق بنفسها من ولدها والبكر يستأمرها ابوها في نفسها (مسلم باب استئذان الثيب في النكاح عن ابن عباس)
ثیبہ اپنی ذات کی اپنے ولی سے زیادہ حق دار ہے۔ اور باکرہ کے بارے میں اس کا باپ مشورہ لے۔

۹۔ الاثم احق بنفسها والبكر تستأذن (ایضاً)

بے ندرج ثیبہ اپنے نفس کی زیادہ حق دار ہے اور باکرہ سے انہی کیا جائے گا

۱۰۔ الاثم تکلم الاثم حتى تستأمر ولا تنكح البكر حتى تستأذن

(صحاح فی النکاح عن عدۃ صحابہ)

بالغہ ثیبہ کا نکاح بغیر مشورے کے اور باکرہ کا بغیر اذن کے نہ کیا جائے۔

تلك عشرة كاملة یہ وہ ارشادات نبوی ہیں جو مختلف کتب احادیث میں مختلف

اسناد سے مختلف صحابہ کی زبانی اور مختلف الفاظ میں بیان ہوئے ہیں اور سب کا مفہوم ایک

ہی ہے کہ بلا اجازت باپ بھی (ثیبہ بالغہ تو الگ رہی) باکرہ بالغہ کا بھی نکاح نہ کرانے۔ حنفیہ

نے اپنی فقہ میں اس کا پورا لحاظ رکھا ہے اور وہ بالغہ باکرہ کے بلا اذن نکاح کے بالکل قائل

نہیں۔ لیکن شافعیہ نے ان تمام روایات کو کیوں نظر انداز کر دیا اور ہر باکرہ — خواہ نابالغ

ہو یا بالغ — کے لیے بلا اذن جبراً نکاح کو کس طرح ولی (باپ) کے لیے جائز قرار دیا

یہ ہمارے ناقص فہم سے بالاتر ہے۔ ثیبہ کتنی ہی خرد سال ہو اس کا اذن ضروری اور باکرہ

کتنی ہی سن رسیدہ ہو اس کی مرضی کے خلاف جبری نکاح بھی ناقابلِ فسخ۔ یا للعجب۔

دوسرے مجتہدین کیا کہتے ہیں؟

اوپر جو دس روایتیں نقل کی گئی ہیں ان میں بعض برسل ہیں اور بعض متصل اور بعض

اسناد کے راوی مجروح یا جھول بھی ہیں۔ ہم نے ان جھولوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ امام زیلعی کی

نصف الراہیہ کی کتاب النکاح میں یہ تفصیلات دیکھی جاسکتی ہیں۔ بہر کیف ان روایات سے بعض ائمہ جس نتیجے پر پہنچے ہیں ان کی ایک جھلک یہاں بھی دیکھ لیجیے۔ جو ہم بغیۃ الامعی فی تخریج الزلیعی سے نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو!

۱۔ ابن الترمذی فی الجوهر النقی علی ما مشہور سنن البیہقی ج ۱، ص ۱۲۱؛
میں کہتے ہیں: قوله صلی اللہ علیہ وسلم ولا تنکح البکر حتی تستأذن
ذلیل علی ان البکر البغیۃ لا یجبرھا ابوها ولا غیرہ۔

حضور کا یہ ارشاد کہ "بلا اذن" باکرہ بالغہ کا نکاح نہ کیا جائے اس بات کی دلیل ہے
کہ بالغہ باکرہ کو نہ اس کا باپ مجبور کر سکتا ہے۔ نہ کوئی دوسرا۔

۲۔ ابن منذر کہتے ہیں:

ثبت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا تنکح البکر حتی
تستأذن وهو قول عام وکل من عقد علی خلف ما شرع رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فهو باطل وليس لاحد ان یستثنی من
السنة الا مثلهما فلما ثبت ان ابابکر الصدیق زوج عائشۃ
من النبی صلی اللہ علیہ وسلم وهی صغیرۃ لا اهل لها مکان
ذات مسننہ ص ۱۰۰۔

یہ ثابت ہے کہ حضور نے فرمایا کہ باکرہ کا بلا اذن نکاح نہ کیا جائے۔ یہ عام فرمان ہے اور جو حضور
کی مشروع کردہ بات کے خلاف حکم لگاتا ہے وہ باطل ہے اور کسی کو یہ حق نہیں کہ اس
سنت میں کوئی استثنا پیدا کرے۔ بجز اس چیز کے جو ویسی ہی دوسری سنت میں موجود
ہو۔ جب یہ ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عائشہؓ کو کم سنی میں جب کہ ان کا کوئی
اختیار نہ تھا حضور سے بیاہ دیا تو یہ اس (عام سنت) سے مستثنیٰ ہوگا۔

۳۔ خود صاحب بغیۃ الامعی اس کے بعد کہتے ہیں:

وقوله علیہ السلام فی حدیث ابن عباس ان جاریۃ بکرۃ انت
ان نبی صلی اللہ علیہ وسلم فذکرت لہ ان اباھا ذوقہا وھو

انکار ہذا الحدیث فترك الشافعي منطوق هذه الأدلة
 ما استدلل بمفهوم حدیث الثیب احق بنفسها وقال هذا
 يدل على ان البكر بخلافها وقال ابن رشد العموم اولی
 من المفهوم بلا خلاف لا یستلزم في حدیث مسلم: البكر
 يتّمرة ابوها وهو نفس في موضع الخلاف - وقال ابن حزم من علم هو اجاز
 على البكر بالافتحان كما ابيها لها بغيرها متعلقاً اصلاً - وذهب ابن جرير
 ايضاً الى ان البكر لم يبلغه لا تجبروا اجاب عن حدیث الايم احق بنفسها
 بان الايم من لا زوج له رجلاً او امرأة بكراً او ثيباً القوله تعالى وانكروا الايامي
 منكم والعماكين الا - وكذا ذكر البكر بقوله: والبكر تستاذن واذنهما صامتا
 هنرى بين الاذنين او بين اشيء اذن ابكر ومن اقل الايم بالبكرين خطا في
 تائيداً وخالف سلفنا ائمة ومخالفها في اجازتهم لوالد الصغيرة
 تزويجها بكراً كانت او ثيباً من غير خلاف - وفي التمهيد - ملخصه قال
 الرحنيفة واصحابه والثوري والاوزاعي والحسن بن حي والوثور وابوعبيد: لا
 يجزى لاب ان يزوجه بنته البالغة بكراً او ثيباً الا باذنها - فالايم التي لا زوج
 ابن بكراً او ثيباً في حدیثه الايم احق بنفسها و حدیثه: لا تمنكم البكر
 حتى تستاذن من علم معها وخص منها الصغيرة لقصة عاكشة -

ابن عباس کی بیان کردہ حدیث نبوی ہے کہ ایک باکرہ نے آ کر حضور سے شکایت کی کہ
 میرے باپ نے میری ناپسندیدگی کے باوجود میرا نکاح کر دیا ہے اور اسی مضمون کی دوسری
 حدیثوں کے منطوق کو چھوڑ کر امام شافعی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ ثیب اپنے
 نفس کی زیادہ حق دال ہے - اور کہتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ باکرہ ثیب سے الگ
 چیز ہے - ابن رشد کا کہنا ہے کہ عموم کو بنا اختلاف مفہوم پر ترجیح حاصل ہے - خصوصاً جبکہ
 مسلم کی یہ حدیث موجود ہے کہ باکرہ سے اس کا باپ مشورہ کرنے سے اس اختلاف کے موقع

پر یہ حدیث نص ہے۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ جو شخص باکرہ بالغہ سے اذن لیے بغیر باپ کے بچے اس کا نکاح کر دینے کو جائز کہتا ہے اس کی تائید میں مجھے کسی دلیل کا علم نہیں۔ ابن جریر بھی اس طرف گئے ہیں کہ، باکرہ بالغہ پر جبر نہیں کیا جا سکتا۔ وہ ”الثیب احق بنسختها“ (ثیبہ اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے) کا یہ جواب دیتے ہیں کہ ایم کہتے ہیں بے زوج کو۔ وہ مرد یا عورت یا کرہ ہو ثیبہ۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے، ”وانکحوا الایم منکم (اپنے بے زوجوں کا نکاح کر دو) حضور نے جو آگے پھر مزید فرمایا کہ باکرہ کا سے اذن لے لیا جائے اور خاموشی اس کا اذن ہے۔ وہ ثیبہ اور باکرہ کے اذنیوں میں فرق یہاں کرنے کے لیے ہے۔ اور جو ایم کے معنی ثیبہ کے لیتا ہے وہ غلطی پر ہے۔ اور سلف امت اند خلف امت کی مخالفت کرتا ہے۔ جنہوں نے بلا اختلاف نابالغہ کا نکاح کر دینے کی باپ کو اجازت دی ہے۔ خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔“ تمہید میں ہے کہ ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب، ثوری اور نو زاعی، حسن بن حنی، ابو ثوبہ اور ابو جحیدہ سب کے سب یہ کہتے ہیں کہ باپ کا لہنی باکرہ یا ثیبہ رکھی کو جو بالغہ ہو بلا اذن بیابنا جائز ہی نہیں۔ ائمہ وہ عورت ہے جس کا کوئی شوہر نہ ہو خواہ وہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔ لہذا حدیث، ”الایم احق بنفسہا اور حدیث لا تنکح ابک کو حقیقی تستأذن وونوں اپنے اپنے شوہر پر ہیں۔ جن میں سے نابالغہ کو نکاح کرنا حلال ہے کی وجہ سے خاص کر لہا گیا ہے۔“

کم سن محل ماؤں ہی نہیں

نکاح عائشہ کا جو ذکر اس عبارت میں موجود ہے اس کا ہم اوپر تجزیہ کر چکے ہیں۔ یہاں سے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ لہذا اس مذکورہ پر نکاح صغیرہ سے جو استدلال کیا گیا ہے وہ خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔ ساری تاریخ میں نکاح صغیرہ کی یہی دلیل رہ گئی ہے جس کی کوئی اہلیت نہیں۔ یہاں ہم نے یہ عبارت صرف اس لیے پیش کی ہے کہ باکرہ بالغہ کا حق اذن سلب کرنے کا جو اجتہادی تسامح امام شافعی سے ہوا ہے۔ اس کے خلاف رائے رکھنے میں ہم تمنا نہیں۔ سلف سے خلف تک کے مجتہدین کا اندوہ عظیم ہمارے ساتھ ہے۔ اور اگر یہ نہ بھی ہوتا تو روایات و احادیث کی پوری فوج کیا کم تھی، بہر حال حنیفہ کے ہاں تو صرف نابالغہ کا اذن سلب

کیا گیا ہے کیونکہ وہ محل اذن ہی نہیں لیکن شافیہ نے تو باکرہ بالغہ کا بھی حق اذن ختم کر دیا ہے۔ صرف اس جرم میں کہ وہ ثیبہ کیوں نہیں اور اس کے ساتھ ساتھ نابالغہ ثیبہ کو محل اذن نہ ہونے کے باوجود حق اذن بخش دیا ہے۔ صرف اس خوشی میں کہ وہ ثیبہ ہو چکی ہے۔ مگر نابالغ باکرہ کو اس حق سے محروم کرنے میں دونوں شریک ہیں۔ بالغ ہو چکنے کے بعد بھی دونوں کے نزدیک اس غریب کا جبری نکاح ناقابل فسخ ہے اگر باپ نے کر دیا ہو۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ نابالغہ کا نکاح کوئی نکاح ہی نہیں۔ تا وقتیکہ وہ بالغ و راشد ہو کر قولاً یا عملاً اپنی رضا مندی نہ دے دے۔ کیا ہم توقع رکھیں کہ ہمارے دور کے علما و فقہا اس مسئلے پر از سر نو غور کر کے کسی نتیجے پر پہنچنے کی تکلیف گوارا فرمائیں گے؟

ذرا ٹھہریے!

ہاں ابھی ذرا ٹھہریے۔ جلدی نہ کیجیے۔ ہم جو کچھ اوپر عرض کر چکے ہیں۔ اس میں آپ کو کئی طرح کے شکوک پیرا ہو رہے ہوں گے اور یہ شبہ ہو رہا ہو گا کہ ہم نے بہت سی باتیں اپنے دل سے گھڑ کر پورے رائج الوقت تعلید سے ہٹ کر کہی ہیں۔ اچھا تو سب سے پہلے ایک فتویٰ سن لیجیے۔ یہ فتویٰ حضرت عمر بن عبد العزیز کا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر روایت فرماتے ہیں۔

عمر رضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم اُحد فی القتال و

انا ابن اربع عشرة سنة فلم یجزلی و عمر رضی یوم الخندق و انا

ابن خمس عشرة سنة فاجازنی۔ قال نافع فقد مت علی عمر بن

عبد العزیز و هو یومئذ خلیفة فحدثنا هذا الحدیث فقال:

ان هذا یؤتی بین الصغیر و الکبیر۔ فکتب الی عماله

ان یقرضوا لمن کان ابن خمس عشرة سنة۔ و من کان

دون ذلک فاجعلوه فی العزل^۹

۹ حضور نے جنگ احد کے موقع پر میرا جائزہ لیا جبکہ میں چودہ سال کا تھا ہر زانیے اجازت

۹ مسلم۔ قسم اول، جز ثانی، ص ۲۱۵ باب بیان سن البلوغ

نہ دی۔ اور غزوہ خندق کے موقع پر میرا جائزہ لیا تو میں پندرہ سال کا تھا لہذا مجھے اجازت مرحمت فرمادی۔ نافع کہتے ہیں کہ میں عمر بن عبد العزیز کے پاس گیا اور وہ اس وقت خلیفہ تھے۔ ان سے یہ حدیث بیان کی تو انھوں نے فرمایا کہ: یہ صغیر اور کبیر کی درمیانی حد ہے۔ پھر اپنے عمال کو لکھ بھیجا کہ اسے بالغ سمجھو جو پندرہ سال کا ہو اور جو اس سے کم ہو اسے عیال میں شمار کرو۔

گویا پندرہ سال بلوغ کی کم سے کم مدت ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم اوپر وضاحت کر چکے ہیں کہ نکاح کے لیے محض بالغ ہو جانا کافی نہیں۔ اس کے لیے ”رشد“ بھی ہونا چاہیے۔ اسی لیے اس معاملے میں ائمہ نے مختلف عمریں معین کی ہیں۔ مثلاً:

امام ابن شبرمہ اور ابو بکر اصم

..... بخلاف ما یقول ابن شبرمہ و ابو بکر اصم انما لا ینزوج الصغیر و الصغیرۃ حتی یبلغا لفقولہ تعالیٰ ”حتی“ اذا بلخوا النکاح“ فلو جاز التزوج قبل البلوغ لم یکن لہذا اذا شدہ

بخلاف اس کے جو ابن شبرمہ اور ابو بکر اصم کہتے ہیں کہ تا بالغ رہے اور بڑھ کر نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک وہ بالغ نہ ہو جائیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”حتی“ اذا بلخوا النکاح“ (جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں یعنی بالغ ہو جائیں) پس اگر بلوغ سے پہلے ہی نکاح جائز ہوتا تو اس ارشاد کا کوئی فائدہ ہی نہ تھا۔

امام ابن حزم

لا یجوز للاب والاعلیٰ ان ینکح الصغیر الذکر حتی یبلغ فان فعل فہو منسوخ ابداً

باپ ہو یا اور کوئی، تا بالغ روکے کا نکاح کرانا اس وقت تک اس کے لیے جائز نہیں جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے۔ اور اگر ایسا کیا تو یہ نکاح ہمیشہ منسوخ ہوگا۔

ہمارا گناہ تو صرف یہ ہے کہ امام ابن حزم کے فتویٰ میں صغیر کے ساتھ صغیرہ کا اضافہ کیے امام ابن شبرمہ اور امام ابو بکر اصم کی طرف میں لانا چاہتے ہیں۔ امام ابن شبرمہ میں اور

کوفے کے قاضی روچکے ہیں اور امام ابوحنیفہ کے متوازی ان کے فتوے چلتے تھے۔ فتوے میں ضرب المثل تھے۔ حضرت انسؓ سے بھی روایت کرتے ہیں۔ ۲۲ھ میں وفات پائی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی عمر بوقت نکاح و رخصتی سے یہ ناواقف تھے۔ ۳۲۲ھ میں مصر کے تمام علماء کی متفقہ رائے سے امام ابن شبرمہ ہی کے مذہب کے مطابق وہاں ان کے قانون کی دفعہ ۶۰ نافذ ہوئی جس کی رو سے شادی کی عمر لڑکے کے لیے اٹھارہ سال اور لڑکی کے لیے سولہ سال مقرر ہوئی ^{۱۲} امام ابوحنیفہ اور سن بلوغ

اور امام ابوحنیفہ (شادی کے لیے نہ سہی) مگر بلوغ کی جو عمر مانتے ہیں، وہ یوں ہے:-

اما بنو غنم بالسن فقد رى ابوحنيفة رحمه الله في الجارية
لسبع عشرة سنة وفي الغلام بتسع عشرة سنة ^{۱۲}

یعنی سترہ سال تک امام ابوحنیفہ کی رائے کے بعد شافعی اور دوسرے ائمہ کی رائے یوں لگتی ہیں:-

واشتر وخمس عشرة سنة في الذكور والانا ومذهب ابى
يوسف ومحمد كذهب الشافعي وبه قال الاوزاعي وابن وهب والماجنون

یعنی شافعی، ابو یوسف، محمد، اوزاعی، ابن وہب اور ماجنون مردوں کے لیے
عمر بلوغ پندرہ سال مانتے ہیں ^{۱۳}

یعنی امام ابوحنیفہ بلوغ کی عمر لڑکی کے لیے سترہ سال اور لڑکے کے لیے انیس سال سمجھتے
ہیں۔ مبسوط کی ایک روایت سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ امام اعظم بلوغ کے لیے پہلے مادہ
تولید یا پہلے قطرہ خون کو کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کے پیش نظر بلوغ جسمانی کی بجائے بلوغ
عقلی تھا۔ پس صحیح مسہک حنفی یہ ہے کہ عورت کو سترہ سال ختم ہونے کے بعد بالغ تسلیم
کیا جائے خواہ وہ بارہ ہی سال میں قطرہ خون کیوں نہ دیکھ لے۔

اختتام بحث

ہماری آخری رائے اس معاملے میں یہی ہے کہ اولاً تو نابالغی کی شادی قانوناً ممنوع

۱۲ تاریخ القضاء فی الاسلام (مبسوط ج ۴ ص ۵۲) ایضاً عمدة القاضی

۱۳ ایضاً: ص ۳، ۴، ۶

للعیدی ج ۶ ص ۳۲۳

ہونی چاہیے۔ کیونکہ ماخذ شریعت میں اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ لیکن بعض شدید مجبوریوں یا ضرورتوں کے لیے جن کی طرف ہم تے اوپر اشارہ کیا ہے، کم سنی کی شادی کی اگر اجازت دی جائے تو خیال فسخ کے لیے بونگ کی وہ عمر رکھنی چاہیے جو امام اعظم ابو حنیفہؒ نے رکھی ہے یعنی سترہ سال (یا مسلک امام ابن شبرمہ کے مطابق سولہ سال) اس طرح حنفی مسلک مجروح نہ ہوگا۔ ہمارے حنفی علمائے تو کئی مسئلوں میں حنفی مسلک کو چھوڑ کر دوسرے مسلوں کو قبول کر لیا ہے۔ اور انھیں کے مطابق فتوے دیتے ہیں جب اس سے ان کی حنفیت میں کوئی فرق نہیں آتا تو اس مسلک کو قبول کرنے میں حنفیت کا کیا نقصان ہوگا جس کی گنجائش خود امام اعظم کے قول میں موجود ہے۔

مسئلہ مالکیہ

مالکیہ کے ہاں ولی مجبر صرف باپ ہوتا ہے یا اس کا وصی یا حاکم وقت۔
ومثل الاب الوصی والحاکم

نیز مالکی مسلک میں ولی مجبر عاقل، بالغ لڑکی کا بھی مجبر ہے۔ اگر وہ باکرہ ہے جیسا کہ اس عبارت سے واضح ہے:

يختص أيضا مجبر الكبدية البالغة العاقلة اذا كانت بكرًا

لیکن غیر مجبر ولی کسی حالت میں بھی نکاح کرانے کا اختیار نہیں رکھتا اور اگر وہ بالغ کا نکاح کرادے تو خواہ دخول بھی ہو چکا ہو اور کتنا ہی وقت گزر چکا ہو اسے فسخ کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے:

اما الولی غیر المجبر فلیس له تزویج هؤلاء علی ای حال علی المشہور

فعل یفسخ النکاح مطلقاً لو دخل وطال الزمن وقیل لا یفسخ بعد

الدمحل وطول الزمن

نیز ولی غیر مجبر ان کا نکاح اذن کے بغیر کر ہی نہیں سکتا۔ نابالغہ کا اذن چونکہ معتبر نہیں اس لیے جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے۔ اس کا نکاح ہی نہیں ہوگا۔

نیز یہ عبارت بھی ملاحظہ ہو،

ويختص الولي غير المجبر بتزويج من عليها الولاية باذنها ورضاها
اذا كانت كبيرة عاقلة - فليس له ايضا ان يزوج الصغيرة ومن
فحكمها مطلقا لانه ليس له حق التزويج الا اذا استأنت
ورضايت . والحد خبرة لا يعتبر اذنها فتبقى بلا زوج حتى
تبلح^{عليه} -

یعنی غیر مجبور ولی اپنی ذمیت کے زیر اثر جس بڑی عاقلہ کو بیاہے گا وہ اس کی اجازت اور
رضامندی سے بیاہے گا۔ لہذا اسے نابالغ یا نابالغہ کے حکم میں آنے والی کسی لڑکی کو بیاہنے کا
مطلقاً کوئی اختیار نہیں کیونکہ اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر بیاہنے کا کوئی حق ہی
نہیں لہذا وہ بالغ ہونے تک بے زوج رہے گی۔

ہمداری گزارش یہ ہے کہ ولی مجبر کو بھی نابالغہ کو بیاہنے کا اختیار نہیں ہونا چاہیے۔ اور اگر
وہ کسی مجبوری سے ایسا کرے تو اسے بالغ ہونے کے بعد ایک معقول عرصے تک حق فسخ ہونا
چاہیے اور اس کے لیے اس مدت سے آگے جانے کی ضرورت نہیں جو بلوغ کے لیے امام
ابوحنیفہؒ یا امام ابن شبرمہ نے مقرر کی ہے جیسا کہ ہم ابھی بتائے ہیں۔

مسک حنبلی

حنبلیوں کے ہاں باپ بلا اذن نکاح کر سکتا ہے مگر اس لڑکی کا جو باکرہ ہو خواہ بالغ ہی
کیوں نہ ہو لیکن اگر ثقبہ ہو تو نو سال سے کم کی ہو۔ اگر ثقبہ نو سال یا اس سے زیادہ کی ہو تو بلا اذن
ورضا و خبر اس کا نکاح نہیں کر سکتا۔ ملاحظہ ہو یہ عبارت:

ويختص الولي المجبر باجبار غير المسكف - وهو الصغير بكد اكانت
او ثيبا وهي من كانت دون تسع سنين اما التي لها تسع سنين
وكانت ثيبا فليس . يعها جبر لاذن اذنها معتبر فلا بد من اذنها

۴۴۰ الفقہ علی مذاہب الادبۃ ۲ ص ۷۳۳

وینقص ایضاً باجبار البکر البالغۃ عاقلۃ کانت او مجتونة۔ فللاب
ان ینزوجهن بدون اذنهن و رضاهن لمن یشاء الا لمن بہ
عیب یجمل لها حق خیار الفسخ کان یکون محبوباً او عتیناً.....
اما للشیب البالغۃ او القلی لہا تسع سنین فانہ لا یصح تزوجہا
بدون اذنہا و رضاہا..... واما الولی غیر المجر فلیس لہ
ان ینزوج من نہ علیہا الولائیۃ الا باذنہا و..... الخ

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ جذبیلوں کے ہاں اجبار کی علت کم سنی نہیں بلکہ بکارت ہے۔ اس میں جذبیل مسک
شافعی مسک سے ملتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ حنا بلہ کے ہاں نو سال سے کم کی شیبہ بھی
باکرہ ہی کی طرح مجبور ہے۔

۲۔ غیر مجبور ولی گویا بے اختیار سی چیز ہے کیونکہ بالغہ اور نو سال کی شیبہ کو وہ بنا اجازت
ورضا مندی بیاد ہی نہیں سکتا۔ اور اگر نو سال سے کم عمر کی ہو تو اس کا نکاح ہی درست
نہیں۔ کیونکہ اس کا اذن ہی نامعتبر ہے تا آنکہ باکرہ بالغ ہو جائے اور شیبہ صغیرہ نو سال
کی ہو جائے۔ یہاں حنفی مسک مالکی مسک کی طرح ہے۔

اس لیے یہاں بھی ہم وہی گزارش کریں گے جو اوپر مالکی مسک کے ذکر کے بعد
کر چکے ہیں۔

۲۵ ایضاً ص ۳۶، ۳۷

۱۔ طلاق حیض کی حالت میں نہ دی جائے بلکہ ایسے طہر میں دی جائے جس میں وطی نہ ہوتی ہو۔

۲۔ بعثت حکیمین ہو (دو مصالحت کنندہ مقرر کرنا)

۳۔ اشہاد شاپدین ہو (دو گواہوں کی موجودگی)

۴۔ طلاق آسن کا طریقہ عمل میں لایا جائے۔

۳۵ عن عبد اللہ ابن عمر انه طلق امرأته وهي حائض على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فسأل عمر بن الخطاب رسول الله صلى الله عليه وسلم عن ذلك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فليس اجعها - ثم لم يسكها حتى نظر ثم ان شاء أمسك بعد وان شاء طلق قبل ان يمس - (جامع الترمذی ص ۳۰۹ صحیح بخاری جلد ۲، ص ۴۰ - نسائی جلد ۲، ص ۸۰ - صحیح مسلم ص ۱۷۹)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نانے میں عبداللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی۔ اس کے بارے میں حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا۔ تو آپ نے فرمایا کہ انھیں حکم دو کہ رجوع کر لیں پھر اسے طہر تک رکھیں پھر اگر چاہیں تو رکھ لیں اور چاہیں تو مس کرنے سے پہلے طلاق دے دیں۔“

۳۵ وان خلتا شقاق بينهما فابعثوا حکما من اهلہ و حکما من اهلہا

(۳۵:۴)

”اگر تمہیں دونوں (زوجین) کے درمیان اختلاف کا خطرہ محسوس ہو تو ایک حکم شوہر کے خاندان سے اور ایک حکم بیوی کے خاندان سے لو اور وہ دونوں مل کر مصالحت کی کوشش کریں۔“

۳۵ واشتد اذوی عدل منکم (۱:۶۵)

جب جد کرنے لگو تو دو عادل مسلمانوں کو گواہ بنا لو۔

۳۵ یا ایھا الذبی اذ اطلقتم النساء فطلقوهن لعدتھن واحصوا العدۃ۔

(۱:۶۵)

”اے نبیؐ جب تم لوگ بخورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کا اہد رکھ دو اور عدت شمار کرتے رہو۔“

- ۵۔ اس (عدت) کے دوران زوجهین ایک ہی گھر میں رہیں گے۔
- ۶۔ اس اثنا میں شوہر بیوی کے اخراجات کا متحمل ہوگا۔
- ۷۔ اگر حمل ہو تو شوہر زچگی، رضاعت اور حضانت کے اخراجات کا بار اٹھائے۔
- ۸۔ مہر نہ ادا ہوا ہو تو اسے ادا کرنے سے۔
- ۹۔ مہر کے علاوہ بھی جو کچھ دیا ہوا ہے واپس نہ لے لے۔

والمراد ان لطلقهن فی طهر لم یجامعهن فید ثم یخلدن
حتی تنقض عدتھن واحصوا لعدۃ هذا احسن الرط (عمدة القاری
طبع مصر۔ للحنین شرح صحیح بخاری جلد ۹ صفحہ ۵۲۸)

اس آیت سے مراد ہے کہ ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں بچہ بستری نہ کی ہو۔ پھر عدت ختم ہونے تک ان کو چھوڑ دیا جائے۔ یہی احسن طلاق ہے؟

کے واسکوہن من حیث سکنتم جبکہ (۶:۶۵)

جہاں تم رہو وہیں ان مطلقات کو بھی رکھو اپنی استطاعت کے مطابق۔

۹ وان کن اولات حمل فالنصر علیھن حتی یرضعن۔ مکون فان

ارضعن لکم فانوھن اجورھن (۶:۶۵)

» اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان کے اخراجات اس وقت تک دیتے رہو جب تک وضع حمل

نہ ہو جائے۔ پھر اگر وہ، دودھ بھی پلائیں تو ان کو اجرت بھی دو؟

۱۰ وادوا لالنساء صدقۃن لحنۃ (۴:۲)

» اور غور تم کو ان کے ہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرو؟

۱۱ وان اتیتکم احداهن قنطارا فلا تاخذوا منه شیئا (۲:۱۲)

» اور اگر تم انھیں دولت کا ڈھیر بھی دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔

نیز فرمانِ خداوندی ہے: ولا یجمل لکم ان تاخذوا مما اتیتموھن شیئا الا.....

(بانی بر صفحہ ۳۷)

(۲:۱۲)

لہذا ہر مسلم معاشرے اور ہر اسلامی ملک کا فرض ہے کہ وقوعِ طلاق کے امکانات کو کم سے کم کرے اور جہاں طلاق ناگزیر ہو وہاں اس کے لیے بہتر سے بہتر طریقہ رائج کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

اذا قتلتمہ فاحسنوا القتلۃ

”قتل ہی کرنا ہو تو عمدگی سے قتل کرو۔“

جب قتل تک میں بہتر طریقہ استعمال کرنے کا حکم ہے تو طلاق میں بھی یہی طریقہ رائج ہونا چاہیے اور وہ ہے ”طلاقِ احسن“۔ احسن طلاق کا مطلب یہ ہے کہ طہر بے وطی میں صرف ایک طلاق دے کر چھوڑ دیا جائے۔ اگر عدت کے اندر رجوع کر لیا تو فیہا، ورنہ عدت گزرنے کے بعد وہ بائتم ہو جائے گی۔ وہ عورت اب جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے وہ اگر چاہے تو اسی شوہر سے نکاح کرے جس سے اسے طلاق دی ہے۔

”اور تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ جو کچھ ان عورتوں کو دے چکے ہم اس میں سے کچھ بھی واپس لے“ (بقرہ اس کے کہ خلع کی نوبت آئے)

۱۳؎ یہ شوہر اس کا زیادہ حقدار ہے اور عورت کو اس اقدار سے روکنے نہیں چاہیے نیز یہ ارشاد ہے :

ويعولن ان حق بردھن فی ذلک ان اسادوا اصلاحا۔

(۲۸۸:۲)

”اولاد کے خاوند ان کو لوٹا لینے کے زیادہ حقدار ہیں اگر وہ اصلاح کے خواہشمند ہوں۔“

نیز فرمایا: واذا طلقتمہ النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلوھن ان ینکحن

زواجھن اذا تراضوا بینھم۔ بالمعروف (۲۳۳:۲)

”مطلقہ عورتوں کو عدت کے بعد اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب وہ دستور

کے مطابق باہم رضامند ہو جائیں۔“

۱۴؎ مسلم (ذباغ)۔ ابوداؤد (اصحی) نسائی (ضحایا) ابن ماجہ (آیات)

رقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر

جب ایک بار طلاق دینا کوئی پسندیدہ فعل نہیں تو ظاہر ہے کہ بار بار طلاق دینا اور رجوع کر لینا اور زیادہ مکروہ اور قابل نفرت ہے۔ اس میں نہ صرف عورت کا نقصان ہے بلکہ خود اپنے اوپر بھی ظلم ہے، اسی لیے اس کو قرآن نے قانون الہی کا مذاق اڑانا قرار دیا ہے :

وَلَا تَمْسُكُوهُنَّ ضَرَارًا تَعْتَادُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ
ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا

(۱۲۱:۲)

”انہیں ضرر پہنچانے کے لیے نہ روکنا جو ایسا کرے گا وہ اپنے آپ پر

ظلم کرے گا اور اللہ کے احکام کو مذاق نہ بناؤ۔“

مذکورہ بالا تمام ہدایات سے واضح ہے کہ طلاق دینے سے پہلے مستقبل کے عواقب

و نتائج پر اچھی طرح سے غور کر لینا چاہیے۔

لیکن اگر بہ تقاضائے بشری بے سوچے سمجھے عجلت میں طلاق دے دی گئی ہو تو غور و فکر کا

ایک موقع اور دیا گیا ہے۔ انہی دونوں موقعوں کو قرآن نے ”الطلاق مرتین“ سے

تعبیر کیا ہے۔ اس کے بعد ہی فرمایا کہ :

فَامَسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيحٌ بِاِحْسَانٍ۔

”اسی لیے بار بار طلاق دینے والوں کے متعلق سیدنا عمر رضی نے فرمایا کہ :

ان اذناس قتل استعجلوا فی امر قد کانت لہم اناۃ۔ مسلم = ۱۰۲/۱۸۳/۱۸۴

ابوداؤد، ج ۳، ص ۲۹۹-۳۰۰

”یعنی جس معاملے میں فکر و تامل چاہیے تھا اسی میں لوگ عجلت سے کام لینے لگے۔“

حضرت عباس فرماتے ہیں: ”تتابع الناس فی الطلاق فاجازہم علیہم۔“

”لوگ بے سوچے سمجھے طلاق دینے لگے تو (حضرت عمر رضی) نے ان پر نافذ کر دیا۔ (یعنی

تین طلاق بیک مجلسی کو مغلظہ قرار دیا)

(یعنی دونوں موقعوں کو کھودینے کے بعد) یا تو معروف کے مطابق رجوع کر لو یا عمدگی سے چھوڑ دو (تاکہ عدت گزر جائے اور مطلقہ بیوی بائنہ ہو جائے) یہاں بھی تیسری طلاق کے ذکر سے گریز کیا گیا ہے صرف تیسری (چھوڑ دینے) کا ذکر ہے۔ تاکہ باتن ہونے کے بعد دوبارہ نکاح کا موقعہ باقی رہے لیکن بدقسمتی سے اگر تیسری طلاق بھی دے دی گئی ہو تو زوجیت کا رشتہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔ جیسا کہ ارشاد ہوا:

فان طلقوا نانا جناح علیہما ان یتراجعا ان یقیا حد وواللہ... الخ
 ”بھراگر وہ (شوہر تانی) بھی طلاق دے دے تو ان دونوں پر از سر نو زوجین بننے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ گمان غالب ہو کہ دونوں حدود اللہ کو قائم رکھ سکیں گے۔“

طلاق کے تین طریقے

جہاں تک تین طلاقوں کا تعلق ہے اس کی مفرد جہ ذیل تین شکلیں ہیں:

- ۱- طلاق حسن یا طلاق سنی جس میں تین ظہر بے وطی میں تین طلاقیں دی جاتی ہیں اور یہ طلاق مغاضبہ یا طلاق بتہ ہو جاتی ہے۔ رجوع کا اختیار ختم ہو جاتا ہے۔
- ۲- ازدواجی زندگی کے مختلف اوقات میں دوبارہ طلاق دے کر رجوع کر لیا ہو اور اس کے بعد تیسری بار بھی طلاق دے دی ہو تو اس کے بعد رجوع کا اختیار ختم ہو جاتا ہے (کیونکہ شوہر صرف تین ہی طلاقوں کا اختیار رکھتا ہے)

- ۳- ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے دی گئی ہوں۔ اسے ”بدعی“ بھی کہتے ہیں۔ پہلی دونوں صورتوں میں پہلی اور دوسری طلاق کے بعد رجوع کر لیا جاسکتا ہے۔ لیکن تیسری طلاق سے پہلے تک تیسری کے بعد رجوع ممکن نہیں۔ طلاق حسن اس لیے طلاق حسن ہے کہ اس میں تیسری طلاق سے پہلے تک رجوع کا اور بعد عدت کے تحدید نکاح کا امکان رہتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ احسن طلاق سے قریب تر ہے کیونکہ اس میں احسن کی طرح مغرور و فکر کے لیے ایک خاص مدت مل جاتی ہے۔ پھر اگر اس مدت کے اندر بھی زوجین کی منافرت دور نہ ہو سکے تو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ زوجین زوجیت کی خوش آئند زندگی گزارنے کے

اہل نہیں اور ان کا جبار ہونا ہی بہتر ہے۔ اسی کو قرآن مجید نے یوں بیان کیا ہے:

وان يتفرقا يغن الله كلا من سعته - (۴: ۱۳)

» اگر وہ دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ اپنی کثرت سے دونوں کو ایک دوسرے سے

بے نیاز کر دے گا»

یہی صورت نمبر دو میں بھی ہے۔

یہی تیسری شکل میں بھی ہے۔ یعنی بیک مجلس تین طلاق یکبارگی دے دینا۔ اگرچہ ایک کثیر طبقہ اسے منغلظ ہی مانتا چلا آرہا ہے لیکن ہمارے نزدیک دلائل کی قوت ان ائمہ کے حق میں جاتی ہے جو اسے ایک ہی طلاق مانتے ہیں جو رجعی ہوتی ہے۔ ایسی فوری طلاق میں نہ سوچنے کا موقع ملتا ہے نہ بعث حکمین یعنی مصالحت کنندگان کے تقرر کا بلکہ ان تمام دیواروں کو وفود پھاند لیا جاتا ہے جن کا مقصد سوچ سمجھ کر یہ اقدام کرنا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حتی الامکان طلاق کی نوبت ہی نہ آنے دینا چاہیے اور اگر طلاق ناگزیر ہو جائے تو طلاق احسن دینا چاہیے تاکہ دوران عدت رجوع اور بعد عدت تجدید نکاح کا موقع رہے۔ طلاق حسن میں تیسری طلاق سے پہلے تک رجوع کا موقع تو رہتا ہے لیکن تیسری کے بعد وہ منغلظ یا بتہ ہو جاتی ہے اور تجدید نکاح کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔ بجز اس کے کہ وہ عورت دوسرا خاوند کلمے اور وہ اتفاق سے اسے طلاق دے دے، یا مر جائے۔

طلاق کی ان اقسام کا اثر یہ ہوتا ہے کہ:

۱- ایک شکل میں تو زوج بے اختیار رہتی ہے اور وہ ہے طلاق رجعی ایک ہو یا دو (یعنی شوہر عدت کے اندر رجوع کر سکتا ہے)

۲- دوسری صورت میں شوہر بے بس ہو جاتا ہے اور وہ ہے بائنہ (زوجیت ختم ہو جاتی ہے پھر جب تک زوجہ نہ چاہے تجدید نکاح نہیں ہو سکتی)

۳- تیسری شکل میں میاں بیوی دونوں بے بس ہو جاتے ہیں اور وہ ہے منغلظ یا بتہ۔ (دونوں چاہیں جب بھی زوجین نہیں بن سکتے۔)

عوام طلاق کی ان اقسام سے عموماً ناواقف ہوتے ہیں۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ طلاق کے معنی ہی ہیں تین طلاقیں۔ عوام قرآن و سنت کے اس ضابطہ میں سے بھی بے خبر ہوتے ہیں جو طلاق کے لیے بنایا گیا ہے۔ بس وہ یہ جانتے ہیں کہ طلاق طلاق کہو کہا اور رشتہ زوجیت اسی آن ختم ہو گیا۔ اب صرف خورت کو گھر سے باہر کرنا رہ گیا ہے۔
دفعہ تین طلاقیں پہلے رجعی تھیں

عہد نبویؐ میں، عہد صدیقی میں اور دو تین سال تک عہد فاروقی میں بھی ایسی تین طلاقیں جو وفعتہ دی جاتیں، ایک ہی یعنی (رجعی) سمجھی جاتی تھیں۔ سیدنا عمرؓ نے طلاق کی جلد بازی اور کثرت کو روکنے کے لیے اسے مغلطہ قرار دیا لیکن بعد میں اس پر سخت ندامت کا اظہار بھی فرمایا۔^{۱۵}

۱۵۔۔۔۔۔ عن ابن عباس قال كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم و ابى بكر و سنتين (وفى روايته اخوى ثلاثاً) من ثلاثة عشر طلاقاً فقال عمر بن الخطاب ان الناس قد استعجابوا في امر كانت له فيه اناة فلوا محيئناه عليهم فامضاه عليهم (مسلم جلد ۴، ص ۸۲-۱۸۳-۱ بوداقد، جلد ۳، ص ۳۰۰-۲۹۹)

عبد اللہ بن عباس کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ اور ابو بکرؓ کے عہد میں اور دو سال (یا تین سال تک) عہد نبویؐ کے عہد میں یکبارگی تین طلاقیں لوگ ہی شمار ہوتی تھیں۔ حضرت عمرؓ بن خطاب نے کہا کہ جس کا ہم کو سوچ بچھ کر لونا چاہیے اس میں لوگ جلد بازی سے کام لیتے تھے لہذا ہم اسے کیوں نافذ نہ کریں (یعنی مغلطہ قرار دے دیں) غرض آپ نے اسے لوگوں پر نافذ کر دیا۔

۱۶۔۔۔۔۔ یزید بن ابی مالک راوی ہیں: قال عمر بن الخطاب ما ندمت على مني من امرتي على ثلاث ان لا اكون حرمت الطلاق... (اغاثة اللسان لابن قيم - - - (ص: ۱۸))
 ”عمر بن خطاب نے فرمایا مجھے تین باتوں پر جیسی ندامت ہوئی ویسی کسی بات پر نہیں ہوئی۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں نے تین یکبارگی طلاق کو مغلطہ قرار دے دیا۔“

اس کے علاوہ زبیر بن عوام، عبد الرحمن بن عوف، عکرمہ، طاووس، محمد بن اسحاق، خلاص بن عمرو، حارث عکلی، داؤد بن علی اور اس کے متبعین اور بعض اصحاب مالک۔ بعض اصحاب حنفیہ اور بعض اصحاب احمد (مثلاً ابن تیمیہ و ابن قیم نیز عطا ابراہن دینار وغیرہ) بھی اسے ایک ہی تسلیم کرتے ہیں۔ ابن عباس، علی ابن ابی طالب اور ابو سعید سے دونوں طرح کی روایتیں ہیں۔ جمعاً بھی اور مغلطہ بھی۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی بھی ایک موقع پر دینی زبان سے اسے رجعی مانتے ہیں۔ اندر میں صورت اسے عہد نبویؐ کی طرح رجعی قرار دیتے ہیں کوئی شرعی قباحت نہیں۔ سیدنا عمرؓ کا حکم محض ایک آرڈی منس یعنی وقتی حکم تھا جب سیدنا عمرؓ عہد نبویؐ کے فیصلے کو وقتی مصلحت سے تبدیل کرنے کے مجاز ہیں تو دوسرے کی ویسی ہی مصلحت سے سیدنا عمرؓ

۱۵ امام ابن قیم لکھتے ہیں: ابن عباس و علی و ابن مسعود بان الطلقات الثلاث من فم واحد و واحدة و افتوا ایضاً بانھا مغلطة و اختلف الزبیر بن العوام و عبد الرحمن بن عوف و عاتمة و طاووس و محمد بن اسحاق و خلاص بن عمرو و الحارث العکلی و داؤد بن علی و اکثر اصحابہ و بعض اصحاب مالک و بعض اصحاب الحنفیة، و بعض اصحاب احمد بانہا واحدة۔

(اعلام الموقعین، جلد ۱ بحث طلاق صفحہ ۲۴ تا ۲۵، و التلح الجاریع

(الاصول جلد ۲، ص ۴۶)

ابن عباس، علی بن ابی طالب اور ابن مسعود سے وہ نوزوح کی روایتیں ہیں۔ یعنی بیک وقت تین طلاقیں رجعی یعنی ایک ہی ہوتی ہیں اور یہ فتویٰ بھی منظور ہے کہ ایسی طلاق مغلطہ ہوگی۔ زبیر بن عوام، عبد الرحمن بن عوف، عکرمہ، طاووس، محمد بن اسحاق، خلاص بن عمرو، حارث عکلی، داؤد بن علی، اور ان کے زیادہ تر پیرو بعض مالکی، بعض حنفی اور بعض حنبلی سب کا فتویٰ یہ ہے کہ ایسی طلاق ایک ہی یعنی رجعی ہوگی۔

۱۶ ایسی طلاق اگر موجب ہو بہت سی دشواریوں کا تو کسی شافعی عالم سے فتویٰ لے کر رجوع کر لیا جائے۔ (انتھام صاف فتاویٰ مولانا عبدالحی فرنگی محلی مسئلہ نمبر ۳۷)۔

کا فیصلہ بھی بدلا جاسکتا ہے۔ خصوصاً یہ تبدیلی ان معنوں میں ہے کہ لیسہ عہدِ نبوی کے مطابق بنایا جا رہا ہے جب خورد فقہاء سے طلاق بدعی کہتے ہیں تو اس بدعت سے باز رکھنا کوئی شرعی گناہ نہیں۔ حضور نے ایسی طلاق کو کتاب اللہ کے ساتھ کھیل قرار دیا ہے۔ اور اس پر سخت خفگی کا اظہار فرمایا ہے۔ لہذا اس کھیل کو ختم کر دینا ہی بہتر ہے۔

اس لیے ہماری تجویز یہ ہے کہ بیک مجلس تین طلاقوں کا ردواج ختم کر دیا جائے اور اسے ایک ہی طلاق یعنی رجعی قرار دیا جائے۔

سزا مقرر کرنا کوئی خلاف شریعت بات نہیں..... قانون کو توڑنے پر سزا دینا قانون ہی کا تقاضا ہے۔ حلالہ کرانے اور کرنے والے کے لیے سیدنا عمرؓ نے جو سزا دی تھی سزا رکھی تھی۔ وہ کوئی منصوص سزا نہیں تھی۔ مگر اس سے مقصود لعنتِ حلالہ سے روکنا تھا۔

جب آنحضرت نے اسے تلعب بکتاب اللہ قرار دیا ہے تو اس پر سزا کیوں نہ دی جائے؟ طلاق حسن کو ختم کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اگرچہ تیسری طلاق کے بعد یہ بھی مغلظہ ہو جاتی ہے لیکن اس میں مستقبل کے نشیب و فراز کو سوچنے کا موقع مل جاتا ہے اور طلاق کے تشریحی ضابطے پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔ پھر اس میں تیسری طلاق سے پہلے رجوع کا موقع بھی باقی رہتا ہے اور اگر تیسری طلاق کے بغیر ہی عدت گزار جائے تو تجدیدِ نکاح کا دروازہ کبھی کھلا رہتا ہے۔

فوری طلاق مغلظہ اور حلالہ

یکبارگی تین طلاقیں وہی دے گا جس میں صبر کی کمی ہو، سوچنے سمجھنے کی بجائے

۹ لکھ عن محمد بن لبید قال اخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن رجل طلق امرأته فكثر تطليقات جميعاً فقام غضبان ثم قال ايلعب بكتاب الله وانا بين اظھر کہ۔ (نسائی کتاب الطلاق جلد ۲، ص ۸۱)

» حضور کو ایک شخص کے متعلق یہ اطلاع ملی کہ اس نے اپنی بیوی کو کٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں تو

حضور غضب تک ہوئے اور فرمایا کہ میری موجودگی میں بھی کتاب اللہ کے ساتھ مذاق کیا جاتا ہے۔

فوری جذبے سے مغلوب ہو جاتا ہو، طلاق کے ضابطہ عمل کے لیے عرصے کو برداشت نہ کر سکتا ہو اور فوری چٹھکارا چاہتا ہو۔ اس بدعت کو اختیار کرنے کے بعد ننانوے فی صد زوجین کو پھٹانا پڑتا ہے اور وہ اپنے رشتہ زوجیت کو از سر نو جوڑنے کے لیے ادھر ادھر بھاگتے پھرتے ہیں اور ان کو اس کا ایک ہی راستہ ملتا ہے اور وہ ہے حلالہ کر لینا۔

قرآن نے جس حلالے کا ذکر کیا ہے وہ ہے حلالہ ہو جانا نہ کہ حلالہ کر لینا۔ ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ عورت کسی اور سے اس طرح شادی کرے جس طرح پہلے خاوند سے کی تھی۔ اب اگر اتفاقاً وہ دوسرا خاوند طلاق دے دیتا ہے یا مر جاتا ہے تو بعد عدت یہ اپنے پہلے خاوند سے باہمی رضامندی کے بعد شادی کر سکتی ہے۔ یہ ہے قرآن کا وہ قانون جسے ”فلا تحل لہ من بعد حق تنکح زوجاً غیرہ“ فرمایا ہے لیکن تین طاہروں کو مغلطہ مان کر پھٹانے والوں نے اس قانون کو توڑنے کے لیے یہ چور دروازہ نکالا کہ کسی سے معاملہ طے کر لیا کہ تم شام کو شادی کر کے صبح کو طلاق دے دو۔ تاکہ میرے لیے یہ مطلقہ بعد عدت حلال ہو جائے۔

قرآن کا منشا ہے حلالہ ہونا اور اس کا چور دروازہ ہے حلالہ کرانا۔ ان دونوں میں وہی فرق ہے جو قدرتی موت اور خودکشی کی موت میں ہے۔ ایک حلال ہے دوسرا حرام ہے۔ حلالہ کرانے میں جو عارضی شادی کرائی جاتی ہے اس میں ایک منکوحہ کی طرح ازدواجی زندگی گزارنے کا کوئی قصہ ہی نہیں ہوتا بلکہ یہاں تو ایک شوہر بنایا ہی اس لیے جاتا ہے کہ اس سے جلد چٹھکارا حاصل کر لیا جائے۔

بعض جگہوں پر کچھ لوگ پیشہ ور محفل بھی ہوتے ہیں۔ انہیں کو حضورؐ نے ”التیس المستعد“ کے نام سے پکارا ہے۔ اور ان پر اور ان سے حلالہ کروانے والوں پر لعنت کی ہے۔

عن عقبہ بن عامر، قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الا خبيركم بالتيس المستعد - قالوا بلى يا رسول الله قال هو المحفل بعن الله المحفل (باقی بر صفحہ ۲۷)

اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو سنگساری کی دھمکی دی تھی۔ سیدنا عمرؓ کو بعد میں اپنے حکم کی غلطی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔
بقول ابن قیم کے یہ سب کچھ نتیجہ ہے اس فتوے کا کہ دفعتاً تین طلاقیں مغلظہ ہوتی ہیں۔

طلاق کا ضابطہ عمل کیا ہو؟

اگر کوئی شخص اپنی زوجہ کو طلاق دینا ضروری سمجھے تو پہلے متعلقہ حاکم کو اطلاع دے کہ میں اپنی زوجہ کو احکام سنت کے مطابق طہر بے وطی میں فلاں فلاں گراہوں گی جو دگر میں ایک طلاق دے چکا ہوں یا طلاق دینا چاہتا ہوں۔

اس کے بعد متعلقہ حاکم زوجین کے کم از کم دو اہل خاندان یا ہمدردی رکھنے والوں کو مصالحت اور تحقیقات اسباب کے لیے زوجین کے مشورے سے مقرر کرے گا۔ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴) دالمحلل لہ (بن ماجہ: صفحہ ۶۲۳، ۶۲۲)

(حضرت نے فرمایا کہ: تمہیں بتا نہ دوں کہ کرانے کا ساند بکرا کون ہے۔ کوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ۔

فرمایا، وہ حلال کرنے والا ہے۔ خدا حلال کرنے والے اور کروانے والے دونوں پر لعنت کرے۔)

حاشیہ صفحہ ۴۱۔ الخرج ابن شیبہ عن عمر قال لا اذنی بمحلل ولا محلل لہ

الا رحمتمہما (تحفہ الاحوذی جلد ۲ صفحہ ۱۸۶)

۴۲ یزید ابن ابی مالک ناوی ہیں: قال عمر بن الخطاب ما ندمت علی

لثی بئسدا متی علی ثلث ان لا اکون حرمت الطلاق۔

(اغاثۃ اللہجات - لابن قیم ص ۱۸۱)

(حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا کہ مجھے تین باتوں پر جیسی ندامت ہوئی ویسی کہیں بھی نہیں ہوئی۔ ان میں سے

ایک یہ ہے کہ میں نے تین یکبارگی طلاقوں کو مغلظہ قرار دیا۔)

۴۳ ان الافتاء بانھا مغلظۃ یوجب التخلیل - (اعلام الیقین ایضاً)

(ایسی طلاق کو مغلظہ قرار دینے کا ہی نتیجہ ہے حلالہ کرانا)

زیادہ سے زیادہ دو ہفتے زیادہ کوئی مناسب مدت کی مبعاد دے گا۔

اگر اس اثنا میں مصالحت ہو گئی تو شوہر دوران عدت رجوع کرے گا۔ ورنہ طلاق یا اطلاع طلاق کے دن سے عورت کی عدت شروع ہوگی جو تین قرو یا تین ماہ میں ختم ہوگی۔ اس کے بعد عورت نکاح سے آزاد ہو جائے گی۔ دوران عدت زوجین ایک ہی گھر میں سکونت پذیر رہیں گے اور زوجہ کے تمام اخراجات شوہر کے ذمے ہوں گے۔

اگر عدت ختم ہونے سے پہلے عورت حاملہ ثابت ہو تو عدت وضع حمل ہوگی۔ اور عدت کے تمام احکام نافذ رہیں گے۔ اگر ولادت ہو گئی تو رضاعت اور صفائت کے تمام اخراجات بھی شوہر ہی کے ذمے ہوں گے۔ اگر کسی شخص نے یہ اقرار کیا کہ اس نے تین طلاقیں یک بارگی دی ہیں یا بغیر گواہوں کے طلاق زہی ہے، خواہ وہ ایک ہی طلاق ہو، تو وہ جرمانے یا قید یا دونوں سزاؤں کا مستوجب ہوگا۔

(۳)

حق مطلق

اسلام جس طرح شوہر کو طلاق دینے کا حق دیتا ہے اسی طرح عورت کو طلاق حاصل کرنے کا بھی حق دیتا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے۔

وان خفتن ان لا یقیم احد ودا اللہ فلا جناح علیہما فیما افترت

یہ۔ (۲۲۹:۲)

اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ وہ دونوں (زوجهین) حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان

پر کوئی گناہ نہیں اس بات میں کہ عورت فدیہ دے کر اپنی جان چھوڑے۔

حدیث میں آیا ہے۔

ان امرأۃ ثابت بن قیس بن شماس اتت النبی صلی اللہ علیہ

وسلم فتت یا رسول اللہ ثابت بن قیس ما اعتب عنیہ

فی خلق ولا دین ولا کفر الا کفر فی الاسلام۔ فقار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ اتردین عنیہ حد یقتہ قامت

نعم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبل الحمد یقہ و

حلقہا تطلیفہ لہ

ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی (جمید بنت عبد اللہ بن ابی) نے حضور کے پاس آ کر عرض

کیا کہ: یا رسول اللہ ثابت بن قیس سے مجھے کوئی اخلاقی یا دینی شکایت نہیں مگر میں اسلام

میں داخل ہونے کے بعد کفر سے ڈرتی ہوں (یعنی منافقانہ محبت کی زندگی گزارنا نہیں چاہتی)۔

لہ (بخاری، جلد ۲، صفحات ۹۳، ۹۴، ۹۵) اور نسائی، جلد ۱ ص ۸۹ عن ابن عباس)

حضور نے پوچھا کیا تم اس کا باغ (جو مہر میں دیا گیا ہے) اسے واپس کر دو گی؟ اس نے کہا "ہاں"

حضور نے (ثابت) سے فرمایا کہ یہ باغ قبول کر لو اور اسے ایک طلاق دے دو۔

اگر شوہر اپنی مرضی سے طلاق دے تو وہ جو کچھ عورت کو دے چکا ہے اس سے دست بردار ہونا پڑتا ہے لیکن اگر عورت کے مطالبے پر شوہر طلاق دے تو عورت کو معاوضہ پیش کرنا پڑتا ہے۔ اسی کو فقہی اصطلاح میں خلع کہتے ہیں گویا خلع ایسی طلاق ہے جو عورت معاوضہ دے کر اپنے شوہر سے حاصل کرتی ہے۔

جس طرح باہمی رضامندی سے مہر میں کمی بیشی یا معافی ہو سکتی ہے (جس کا ذکر طلاق کے بیان میں ہو چکا ہے) اسی طرح معاوضہ طلاق میں بھی ہو سکتا ہے۔ عورت اگر سارا مال واپس کرے تو خلع ہے۔ کم دے تو صلح ہے۔ زیادہ ادا کرے تو فدیہ ہے اور اگر تمام حقوق کو جو شوہر پر عائد ہوتے ہیں (معاف کر دے تو مبارات ہے۔ جیسا کہ ہدایۃ المجتہد جلد ۲ صفحہ ۲۲ کی اس عبارت سے واضح ہے۔

ان اسم الخلع۔ یختص بید لہا لہ جمیع ما اعطاها والصلح

ببعضہ و الفدیۃ باکثرۃ و انبادات باسقاطہ عنہ حتمالہا علیہ۔

”جو کچھ شوہر نے دیا ہو وہ سب دے دینے کے لیے خلع کا لفظ مخصوص ہے۔ صلح کا تعلق بعض حصے سے اور

فدیہ کا اکثر حصے سے ہے اور اس کا جو حق شوہر پر عائد ہوتا ہے اسے ساقط کر دینا مبارات ہے۔“

یہ فقہی اصطلاحات ہیں جو عقل کے مطابق ہیں اگرچہ احادیث میں صرف خلع کا پتہ چلتا ہے۔ واضح رہے کہ خلع میں صرف ایک بار طلاق دی جاتی ہے جیسا کہ مندرجہ بالا روایت سے ظاہر ہے۔ جمہور فقہاء سے طلاق بائن قرار دیتے ہیں۔ اور ہمارے نزدیک یہی درست

۲ تا ۳ و جمہور من رای انہ طلاق یجعله بائنا لانہ لو کان للزوج

فی العیۃ منہ الرجعة علیہا لہ یکن لافند الہا معنی (ہدایۃ المجتہد جلد ۲، ص ۶۹)

خلع کو طلاق ماننے والے جمہور سے طلاق بائن قرار دیتے ہیں کیونکہ اگر شوہر کے یہ دوران عدت رجوع کا

اختیار باقی رہے تو عورت کا فدیہ ادا کرنا بے معنی ہو جاتا ہے۔“

ہے۔ لہذا خلع کے بعد طلاق بائن کے اثرات مرتب ہوں گے یعنی اسی وقت رشتہ زوجیت ختم ہو جائے گا۔ دورانِ عدت شوہر رجوع نہیں کر سکتا۔ اور عورت عدت سے پہلے کوئی دوسرا شوہر نہیں کر سکتی ہے۔ دورانِ عدت یا بعد عدت باہمی رضامندی سے تجدید نکاح ہو سکتی ہے۔ عدت کے دوران نفقہ و سکنی شوہر کے ذمے ہوں گے۔

جیسا کہ طلاق کے بیان میں گزر چکا ہے ابغض الحلال ہونے کی وجہ سے طلاق کے راستے میں کئی سکاوٹیں ڈالی گئی ہیں جن کا کتاب و سنت میں سراغ ملتا ہے۔ لیکن چونکہ خلع بھی اتہائی ناپسندیدہ فعل ہے لہذا اگر اس کی راہ میں بھی کچھ رکاوٹیں پیدا کر دی جائیں تو

۵۵ ولا تعزموا عقدة النکاح حتی یبلغ الكتاب اجله (۲: ۲۳۵)

”جب تک عدت پوری نہ ہو تب تک نکاح ثانی کی گراہ نہ باندھو۔“

۵۶ (ا) اذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن ان

ینکحن ازواجهن اذا ترخصن ا بینہم بالمسروف

(جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کریں تو اپنے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ

رکھو جب کہ وہ دستور کے مطابق باہم رضامند ہو جائیں)

(ب) ان الجمہور اجمعوا علی ان لہ ان یتزوجھا برضاھا فی

عدتھا۔ (بدایۃ المجتہد جلد ۲، ص ۷۰)

(جمہور کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خلع کی رضامندی سے شوہر دورانِ عدت بھی نکاح کر سکتا ہے)

۵۷ والمطلقة الرجعی والباشن النفقة والسکنی۔

(شرح وقایہ جلد ۲ صفحات ۱۷۸، ۱۷۹)

(رجعی اور بائنہ مطلقہ کے لیے نفقہ و سکنی ہے)

۵۸ (ا) المختلعات یهن المناقبات (ترمذی)

(خلع کرنے والی عورتیں منافقہ ہوتی ہیں)

(ب) ایما امرأة سألت زوجها الطلاق من غیر یأس فحرام

ان کی کوئی ممانعت کتاب و سنت میں نہیں لہذا طلاق بائن کے بیان میں جو شرطیں رکھی گئی ہیں ان کو خلع میں بھی رکھنا چاہیے۔ مثلاً:-

۱۔ بعث حکمین

۲۔ استشہاد شاہدین

۳۔ دوران عدت کا فقہ و نسکینی؟

۴۔ دو دہ پلانی کی اجرت

۵۔ اخراجات حضانت

۶۔ تحریری تصدیق وغیرہ

ان سب باتوں کا ذکر طلاق کے بیان میں گزر چکا ہے۔

ایک ضروری بات

خطابی، طاؤس، عکرمہ، احمد بن حنبل، اسحاق، ابو ثور ابن قیوم وغیرہ خلع کو فسخ نکاح قرار دیتے ہیں۔ اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ ثابت بن قیس کی بیوی کو حضور نے ایک ہی حیض کی عدت کا حکم دیا لیکن جہور فقہاء سے طلاق بائن کہتے ہیں اور اس کی عدت تین قرۃ جلتے ہیں۔

امہام، تحت الجنۃ (ترمذی)

(جو عورت کو خاطر برائی کے بغیر اپنی شوہر سے مطابقت طلاق کرے اس پر عدت کی جو شرطیں مقرر ہیں)

۹ بعض شرطیں طلاق شرآن مجید میں ہیں۔ مثلاً: استشہاد شاہدین اور بعث حکمین

لیکن سنت میں اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ سنت میں اگر اسی بات کا سراغ نہ ملتا ہو مگر وہ ہو کتاب و سنت کی روح کے مطابق تو اس کو قبول کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔ سعید بن جبیر کی بھی یہی رائے ہے۔

(ملاحظہ ہو احکام القرآن للبصالی جلد ۲ صفحہ ۲۳)

قال سعید بن جبیر فی المختلۃ یعظها فان انتھت واکلا لھما واکلا ضربھا

قلت انتھت واکلا وضع امرھا الی اسلطان فیبعث حکما من اھلہ و حکما اھلھا۔۔۔

۱۰ ملاحظہ ہو "التاج النجاص نلاصول جلد ۲، ص ۳۸۳ کا حاشیہ ۱۔

ہم اسی کے حق رائے رکھتے ہیں۔

ایک اور ضروری بات

اگر قاضی بہ فیصلہ دے کہ غالبہ خلع کرنے والی خورث کو اس کا شوہر طلاق دے تو شوہر انکار نہیں کر سکتا۔ اگر انکار کرے تو قاضی اسے قید کر سکتا ہے۔ اگر اس پر بھی طلاق نہ دے تو قاضی اپنے اختیار سے ان دونوں کے درمیان تفریق کر سکتا ہے۔ خواہ طلاق تہیہ ہو یا نکاح کو فسخ کرے ہو۔ قاضی کے اس اختیار کے لیے سعید بن جبیر کا قول کافی ہے۔ **اللہ** لعان اور عنہ میں قاضی کا یہ اختیار بہت سے فقہانے تسلیم کیا ہے۔

اللہ ومن ینقحہا دین مسلمة عن ایوب السختیانی عن سعید بن جبیر قال: لا یكون الخلع الا حتی یعظها فان تعظت والا ضربها فان اذت و الا فارتفعها فی السلطان فی بعت حکمها من اهلها و حکمها من اهلہ یرفع کل واحد منہما فی السلطان ما یسمع من صاحبه فان رای ان یفرق فرقی و ان ساری ان یجمع جمیع (المحلی لابن حزم جلد ۱۰ ص ۲۳۰)

» خلع اسی وقت ہوگا جب پہلے شوہر ایسے سمجھائے وہ سمجھ جائے تو فیہا ورنہ پھر (۱) سے خواہ گاہ میں چھوٹے اس سے بھی کام نہ چلے تو پھر اسے خلیفہ عرب لگانے (اس سے بھی کام نہ چلے تو) وہ دونوں پر یہ معاملہ علوم کے سامنے لے جائیں پھر حکومت ایک آدمی عدوت کا اور دوسرا مرد کا مقرر کرے اور ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے موکل کی باتیں سن کر حاکم تک پہنچائے۔ اس کے بعد حاکم مناسب سمجھے گا تو تفریق کر دے گا یا معاہدت کر دے گا۔

اللہ ایلا کا مطلب ہے زوج کا یہ قسم کھانا کہ میں اپنی بیوی کے پاس نہیں جاؤں گا۔ اس صورت میں چار ماہ کے اندر وہ اپنی قسم توڑ کر کفارہ قسم ادا کر سکتا ہے ورنہ چار ماہ کے بعد اسے طلاق بائن ہو جائے گی لیکن یہ تفریق قاضی کرانے گا۔ نزد امام شافعی :

قال الشافعی تبیین بقریق نقاضی لانہ مانح حقها فی الجماع فینبوب القاضی منابہ فی التمسیح کما فی الجہت و العنت۔ (ہر ایہ جلد ۱۲ ص ۳۸)

لعان کا مطلب یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی پر ناجائز تعلق کا الزام لگاتا ہے تو قاضی دونوں کو ہوا کر

باقی بر صفحہ ۸۲

اس سلسلے میں سپریم کورٹ نے مجھ سے کچھ سوالات کیے۔ وہ سوالات اور ان کے جواب درج ذیل ہیں۔

دبئیہ دراثیہ صفحہ ۵۱) تم میں کھلوانا ہے۔ پھر قاضی ہی دونوں میں تفریق کرتا ہے۔
اس بارے میں مسنگ احکامات یہ ہے۔

اذا التعلنا لا تقع الفرقة حتى يفرق القاضى بينهما (ايضاً ص ۳۹۸)
یعنی قاضی کی تفریق کے بغیر لعان والی جدائی نہیں ہو سکتی۔ اس تفریق کے لیے زوجین
کی رضامندی بھی ضروری نہیں۔ ملاحظہ ہو یہ عبارت:

وان لم يرضيا بالفرقة (عاشیہ شرح وقایہ جلد ۲، ص ۳۸ عا تیرہ ۹)
یعنی اگرچہ زوجین تفریق پر راضی نہ ہوں۔ انتہا یہ ہے کہ اگر تفریق قاضی سے پہلے دونوں میں
سے کوئی ایک مر جائے تو حق وراثت باقی رہے گا۔

لومات احدهما بعد الفراغ من قبل تفریق الحاکم تو اراثا۔ (عمایۃ ایضاً تاشیہ ۵)
یعنی اگر تم میں کھا چکنے کے بعد حاکم کی تفریق سے پہلے زوجین میں سے کوئی مر جائے تو وراثت جاری ہوگی۔
..... عنہ کا مطلب ہے شوہر کا نام مرد ہونا۔ اس کا منہ جنتیہ کے نزدیک یہ ہے۔

واذا كان الزوج عیناً اقبله الحاکم سنة فان وصل اليهما فبها والا فرق
بينهما (ايضاً، ف ۲۰۰)

یعنی اگر شوہر نامرد ہو تو حاکم اسے ایک سال کی (علاج کے لیے) بہت دے گا۔ اگر وہ اس دوران
میں جماعت کرے تو فیہا ورنہ قاضی دونوں میں تفریق کر دے گا۔

ایلا کے بارے میں اگر شوہر رجوع اور طلاق دونوں سے انکار کرے تو.....

فان ما لک قال يطلق القاضی علیہ وقال اهل الظاهر یحبس حتى یطلق

بنفسہ۔ (احکام القرآن للبخاری جلد ۲، ص ۱۰۱)

یعنی امام مالک کہتے ہیں کہ اس صورت میں قاضی شوہر کی طرف سے طلاق دے گا۔ اہل ظاہر کہتے ہیں کہ قاضی
اس وقت تک قید میں رکھے گا جب تک وہ خود طلاق نہ دے دے۔

ان تمام باتوں کو دیکھتے ہوئے کوئی وجہ نہیں کہ شوہر طلاق دینے سے انکار کرے تو قاضی اسے
قید نہ کرے اور پھر بھی نہ مانے تو وہ اپنے اختیار سے طلاق یا فسخ کے ذریعے تفریق نہ کرائے۔

سوالات

- ۱- آیا خلع عورت کا حق ہے؟ اگر یہ شرط قرآنی پوری ہو جائے کہ زوجین میں خلع ایسی حالت ہو گئی کہ پانی نہیں جاسکتی؟
- ۲- یا خداوند خلع دینے سے انکار کر سکتا ہے؟
- ۳- اور اگر وہ انکار کرے تو کیا قاضی یا عدالت شرط قرآنی کے متعلق تسلی کرنے کے بعد تفریق زوجین کا حکم دے سکتی ہے یا نہیں؟

جواب

عورت کو اگر نکاح کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا تو نکاح باقی رکھنے پر بھی مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اگر مرد طلاق دے تو اسے اپنا دیا ہوا مال چھوڑنا پڑتا ہے۔ اسی طرح اگر عورت طلاق کی خواہش مند ہو تو اسے لیا ہوا مال واپس کرنا پڑتا ہے۔ اسی کو خلع کہتے ہیں یعنی خلع ایسی طلاق ہے جو مال کے عوض حاصل کی جاتی ہے۔ قرآن میں اس کا ذکر یوں ہے:

فان خفتہ۔ ان لا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیہما فیما

اخذتا بہ۔ (۲۲۹:۲)

دو اگر تمہیں (اے جاگو) یہ اندیشہ ہو کہ وہ دونوں (زوجین) حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو بیوی جو کچھ دے کر اپنی جان چھڑا لے۔ اس پر ان دونوں (زوجین) پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ فدیہ دے کر اپنی جان چھڑانا عورت کا ایک جائز حق ہے۔ اگر یہ جائز حق نہ ہوتا تو یہ کیوں کہا جاتا کہ اس میں کوئی گناہ نہیں ہے بلکہ شبہ میں کہ آیت

۱۴۷۔ ورنہ حضور پر یہ کو معیشت کے ساتھ رہنے پر مجبور کرتے۔ بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ ہیں۔ یہ منسل واقعہ موجود ہے۔

۱۴۸۔ بیشتر مفسرین نے اس کا مخاطب حکام ہی کو مانا ہے مثلاً احکام القرآن للبخاری جلد ۲ صفحہ ۲۲۱۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۳۰۳۔ معالم التنزیل جلد ۱ صفحہ ۴۳۴ اور تفسیر خازن جلد ۱ صفحہ ۴۳۵ وغیرہ۔

۱۴۹۔ المختلعات هن المناققات (باقی یہ صفحہ ۵۴)

موجود ہے۔ لیکن گراہت تو اس طلاق میں بھی ہے جو مرد خود دیتا ہے۔ اور اس کے باوجود طلاق دینا مرد کا حق ہے۔ زوجین کے درمیان جدائی کوئی اچھی چیز نہیں لیکن بعض مواقع ایسے بھی ہوتے ہیں جہاں یہ جدائی دونوں کے لیے بہتر ہوتی ہے جبکہ دونوں کی زندگی باہمی موافقت کی وجہ سے غذاب بنی ہوئی ہو۔ ایسے ہی موقع کے لیے ارشادِ قرآنی ہے:

وان يتصراقا يغن الله كلا من سعته (۲: ۱۳)

”اگر وہ دونوں جدا ہو جائیں تو خدا اپنی کسادگی سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا۔“
بیوی اگر ناقابلِ اظہار یا قابلِ اظہار ناپسندیدگی کی وجہ سے اپنے شوہر کے ساتھ گزارا کرنا نہ چاہے تو اسے زبردستی روکے رکھنا ”ظہار“ اور ایک قسم کا ”حبس بے جا“ بھی ہے اور قرآن نے اس سے ان الفاظ میں منع کیا ہے۔

فلا تمسکوھن ضراد التعتوا (۲۳: ۲)

”انہیں محض نقصان پہنچانے کے لیے مت روکے رکھو۔“

ضرار سے پیمانہ مرد کی طرف عورت کا بھی حق ہے اور اس پر کوئی جبری پابندی نہیں لگائی ہے۔ مصالحت و مفاہمت کی کوشش کرنی چاہیے جیسا کہ قرآن نے کہا ہے:

وان خفتہ شقاق بینہما فابعثوا حکما من اہلہ و حکما

من اہلہا (۲۵: ۲)

”اگر تمہیں (اسے عالم) دونوں کے درمیان سد پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایک حکم مرد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳) - نخل لینے والی عورتیں منافق ہوتی ہیں۔ (نسائی جلد ۲، ص ۱۸۸ اور ترمذی جلد ۲ ص ۲۰۷)

کے بغض الحلال الی اللہ الطلاق

(جائز باتوں میں خدا کے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ نفرت چیز طلاق ہے) ابوداؤد جلد ۲؛

ص ۲۹۶ و ابن ماجہ جلد ۱ ص ۶۵۰

کے خاندان سے اور ایک حکم عورت کے خاندان سے مقرر کرو۔

لیکن اگر یہ کوشش ناکام ہو تو عورت کا یہ حق سلب نہیں ہوتا۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل احادیث پر غور کرنا چاہیے۔

(عن ابن عباس) ان جميلة بنت ابی بن سلول اتت ابنی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت ما اعتب علی ثابت فی دین ولا خلق ولكن اکراه الکفر فی الاسلام لا اطيعه بغضا فقال لها النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اترو دین حدیقتہ؟ قالت: نعم۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اقبل الحدیقة و طلقها تطلیقة (نسائی جلد ۲، ص ۸۹، بخاری جلد ۲، ص ۴۹۲)

”جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی بن سلول نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ: مجھے (اپنے شوہر) ثابت بن قیس سے دین یا کردار کی کوئی شکایت نہیں لیکن میں اسلام میں آنے کے بعد نافرمانی کو پسند نہیں کرتی۔ میں اپنی نفرت کو برداشت نہیں کر سکتی۔ حضور نے فرمایا: کیا تم اس کا باغ (جوہر میں ملا ہے) اسے واپس کر دو گی؟ اس نے کہا ہاں۔ حضور نے فرمایا: (اسے ثابت) باغ قبول کر لو اور اس کو ایک طلاق دے دو۔“

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ بیوی کو اپنے شوہر سے نہ کوئی دینی شکایت ہے نہ اخلاقی۔ گویا وہ ہر لحاظ سے غنیمت ہے لیکن وہ کسی وجہ سے نفرت کرتی ہے جسے اس روایت میں نہیں بتایا گیا۔ البتہ وہ ہماری روایت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ثابت نے قدا اور بد صورت تھے۔ پھر یہاں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں کہ حضور نے نفرت کی وجہ پوچھی ہو یا مفاہمت کی کوشش فرمائی ہو۔ حضور کی فراست نے نفرت کی وجہ سمجھ لی ہو گی اور یہ کبھی بھانپ لیا ہو گا کہ مفاہمت کی کوشش سود مند نہ ہو گی۔ روایت میں اس کا ذکر نہیں کہ حضور نے اسے بازرگ کھنے کی کوئی سعی فرمائی۔ بس ایک ہی راہ نظر آتی کہ شوہر طلاق دے دے اور زوجہ باغ واپس کر دے۔ جمیلہ کی نفرت بالکل طبعی تھی اور ایسی حالت میں محض ثواب کی خاطر مجبور کرنا اس

کی ازدواجی زندگی کی خوش گواریوں کے منافی تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ خلع عورت کا ایک جائز حق نہ ہوتا تو حضورؐ جمیلہ کو اس سے روکتے یا اظہارِ ناراضی فرماتے۔

جناب ثابت بھی آخر انسانی جذبات رکھتے تھے چنانچہ انھوں نے مال کے ذریعے پھر عورت کا اس و محبت خریدنے کی کوشش کی۔ ایک دوسری عورت (حبیبہ) سے شادی کی اور مہر میں پھر اسی طرح باغ دیا۔ اس کا انجام کیا ہوا وہ دوسری روایت بھی سینے ۶

(عن عمر و بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال) کانت حبیبۃ

بنت سہل تحت ثابت بن قیس بن شماس و کان مہجند یمما

فقال یا رسول اللہ! واللہ لو لا مخافة اللہ اذا دخل علی

لبصقت فی وجهہ - فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اتردین علیہ حدیقتہ - فقالت: نعم فردت علیہ حدیقتہ

قال ففرق بینہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم -

(ابن ماجہ جلد ۱، صفحہ ۶۶۳)

حبیبہ بنت سہل ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی تھی۔ ثابت پست قد اور بد شکل

تھے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ خدا کی قسم اگر خوفِ خدا دامن گیر نہ ہوتا تو جس وقت

میرے پاس آتا ہے میں اس کے منہ پر تھوک دیتی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ کیا تم اس کا باغ

دائیں کر دو گی؟ عرض کیا "ہاں"۔ چنانچہ اس نے انھیں ان کا باغ واپس کر دیا اور حضورؐ

نے ان دونوں کے درمیان تفریق کرادی۔^{۱۹}

یہ دو الگ الگ واقعے ہیں اور دونوں ہی جناب ثابتؓ سے متعلق ہیں۔ پہلے واقعے

میں حضورؐ نے ایک طلاق دینے کا حکم دیا اور دوسرے میں تفریق کرادی۔ یعنی نکاح فسخ کر

دیا۔ حضورؐ کے یہ دونوں فیصلے بہ حیثیت ایک بیچ کے تھے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اگر

عورت افتنا (خلع) چاہے تو قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ خواہ وہ شوہر کو طلاق دینے کا حکم

^{۱۹} بخاری میں فرق کی بجائے فارق ہے، معنی وہی ہیں۔

دست دے یا فسخ نکاح کر کے تفریق کرادے جسو صماً اگر شوہر طلاق دینے سے انکار کرے تو قاضی کو بطریق ادلی حق فسخ تفریق ہوتا ہے۔ اگر اسے حکمین مقرر کرنے میں مذاہمت کی صورت نظر آئے تو یہ کرے اور اگر اسے یہ سوس ہو کہ معاملہ انتہا تک پہنچ چکا ہے اور حکمین کا تقرر مفید نہ ہوگا تو تفریق ہی کر سکتا ہے۔

موجودہ دور کے محقق علی خنیف حدیث نخل کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

الیس یستنبط من هذا الحدیث الصحیح ان یکون للقاضی حق المخالعة بین الزوجین اذا رافت الزوجة امرها من زوجها الیه و انہا لا تطیقہ بغضاً وان العشرین بینہما لا تستقیم علی ہذا الحال ولا یمکن اقامة حدود اللہ معہ فی امر دسما القاضی بالمخالعة علی ما اعطاها من مہر فان استجابا والا قضی بذالک بینہما ونفذ قضاء وہ فیہما اذا رضیت الزوجة بذلك و ابی الزوج۔

انی اری الحدیث دالاً علی ذلک اذ لیس فیہ ما یدل علی ان امر الرسول بالمخالعة بین ثابت و زوجته کان امر ارشاد و ندب لا تجب طاعتہ کما ذهب الی ذلک بعض الفقہاء اذ لا یترکہ الرسول صلعم امر زوجین ترافعا الیہ و انقصی بہما الحال الی هذا الوضع الذی لا ینتم مع دین و لا خلق دون ان یشرع لہ عاجلاً حاسماً و قضاءً فاصلاً و اذ اکت لا اعثر علیہ علی هذا الرأی لفقہیہ فذلک لا یغیرہ بعد ان صح الحدیث (فراق الزوج فی المذاهب الاسلامیة

لعلی خنیف ص ۱۳۵ ما شیہ ۱)

کیا اس حدیث سے یہ مستنبط نہیں ہوتا کہ جب بیوی اپنے شوہر کے معاملے کو قاضی کے پاس لے جائے اور وہ اس کی نفرت کو برداشت نہ کر سکتی ہو اور اس حالت میں

دونوں کی زندگی خوشگوار نہ گزر سکتی ہو۔ اور شوہر کے ساتھ رہنے میں حدود اللہ کا قیام ممکن نہ ہو تو قاضی کو زوجین کے درمیان خلع کر دینے کا حق حاصل ہے۔ یعنی وہ دونوں کو شوہر کے دیے ہوئے مہر پر خلع کرانے کا حکم دے؛ اس وقت اگر وہ دونوں مان لیں تو بہا اور نہ قاضی ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دے اور ان دونوں پر اپنا فیصلہ نافذ کر دے جب کہ زوجہ تو اس خلع پر راضی ہو۔ اور شوہر انکار کر دے۔

ثابت اور ان کی بیوی کے درمیان خلع کر دینے کی اس حدیث میں جو حکم نبویؐ موجود ہے وہ محض ایک نصیحت یا مستحب چیز نہیں جس کی اطاعت ضروری نہیں ہوتی جیسا کہ بعض فقہاء کا مسدک ہے۔ ظاہر ہے کہ جب زوجین نے اپنا معاملہ حضورؐ کی حرمت میں پیش کیا اور صورت حال اس انتہا کو پہنچ گئی تھی کہ دین اور خلق کے باوجود صلح کا امکان نہ تھا تو اس کو حضورؐ بغیر ایک فوری اور قطعی فیصلے کے متعلق نہیں چھوڑ سکتے تھے اور جب اس کے خلاف کسی فقیر کا کوئی علم نہیں تو اس صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے اس استنباط کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

یہاں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ جب حکمین کا تقرر قاضی کی توثیق سے ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ ان حکمین سے اس قاضی کے اختیارات یقیناً زیادہ ہوتے ہیں۔ اب خوران حکمین کے کیا اختیارات ہیں اس کے متعلق فقہاء کی دو رائیں ہیں۔ بعض ان حکمین کو تفریق کا حق نہیں دیتے اور بعض یہ حق دیتے ہیں۔ علیٰ حقیقہ بھی اسی کے حامی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:-

وخالف في ذلك خريق من الفقهاء الى انهما جاحمان عليهما
ان يصلحا بين الزوجين ما رأيا الى الاصلاح وسيلة-
فاذا تعذر الاصلاح بينهما فرقا بينهما على عوض او بغير
عوض على حسب الاحوال رضى الزوجان بذلك ام ابيا
وعلى القاضى امضاء حكمهما وانفاذ اذ الملة للخلاف
بين الزوجين - وهذا الراى مروى عن سعيد بن مسيب

و سعید بن جبیر و ابی سلمة و الشعبي و النخعی و هو
مذہب مالک و الاوزاعی و اسحاق و احد قوی الشافعی
و روایة اخرى عن احمد و هو قول اهل المدینة و هو
الصحيح (ایضاً ص ۲۰۷)

(فقہ کے ایک گروہ نے اس مسئلے میں حکمین کو تفریق کا حق نہ دینے کی مخالفت کی ہے۔ اس گروہ کا کہنا ہے کہ زوجین پر حکمین کا فیصلہ نافذ ہوگا جب تک وہ مصالحت کا ذریعہ نکال سکیں گے۔ لیکن اگر مصالحت نہ ہو سکے گی تو دونوں میں تفریق کر دیں گے۔ خواہ معاوضہ طلاق دلوں یا اس کے بغیر۔ حالات کا جیسا تقاضا ہوگا ویسا کریں گے عام اس سے کہ زوجین، اس تفریق سے راضی ہوں یا انکار کر دیں۔ پھر حکمین کے اس فیصلے کو نافذ کرنا قاضی کی ذمہ داری ہوگی تاکہ زوجین کا باہمی اختلاف دور کیا جاسکے۔ سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، ابوسند، شعبی، نخعی، مالک، اوزاعی اور اسحاق سے ہی مروی ہے اور ایک روایت کے مطابق شافعی اور احمد بن حنبل بھی یہی رائے رکھتے تھے۔ اہل مدینہ کا بھی یہی قول ہے اور یہی صحیح ہے۔)

اس کے بعد علی حقیق اس کی عقلی و نقلی تائید میں یوں لکھتے ہیں:

..... ولان من القواعد المقررة في الشريعة الاسلامية
نفى الضار و رفع الضرار - و ذلك الى الحاكم اذا لم
يتسير فعهما الا بقضائه - وقد بعث عثمان ابن
عباس و معاوية حکمین بين عقيل بن ابی طالب و
زوجته فاطمة بنت، عتية فقال لهما ان تفرقا

۲۷ حکمین کے اختیارات کی وسعت کا اس سے اندازہ کیجیے کہ وہ نہ معاوضہ طلاق
دلوانے کے پابند ہیں نہ زوجین کی رضامندی کے۔ کیا اس سے قاضی کے اختیارات کا اندازہ نہیں ہوتا۔
جو خود حکمین کو اتنے وسیع اختیارات دے سکتا ہے۔

فرقتما و کلک و رد عن علیؑ انه بعث حکمین بین زوجین
وقال لهما علیكما ان رأیتما ان تفرقا فرقتما و ان
رأیتما ان تجمعا جمعتما۔ فجعل عثمانؓ و علیؓ الحکم
الی الحکمین ولہ۔ یعرف لهما من الصحابة مخالف
و انما عرف الخلاف فی زمن التابعین (ایضاً صفحہ ۳۰۷)

کیونکہ نزر اور نزار کو دور کرنا شریعت اسلامیہ کے مقررہ قواعد میں داخل ہے اور
اس کا تعلق قاضی سے ہے جب کہ اس کے فیصلے کے بغیر وہ نزر یا نزار دور نہ ہو
سکتا ہو۔ عقیل بن ابی طالب اور ان کی بیوی فاطمہ بنت عتبہ کے جھگڑے کو دور
کرنے کے لیے حضرت عثمانؓ نے ابن عباس اور معاویہ کو حکم مقرر کیا اور کہا کہ
اگر تم دونوں مناسب سمجھو تو ان دونوں میں تفریق کرا دو۔ اسی طرح حضرت علیؓ
کا بھی واقعہ ہے کہ ایک میاں بیوی کے لیے آپ نے دو حکم مقرر کرتے ہوئے
کہا کہ تمہارا کام یہ ہے کہ اگر ان دونوں کے درمیان تفریق مناسب سمجھو تو
تفریق کرا دو اور مصالحت مناسب نظر آئے تو مصالحت کرا دو۔ غرض حضرت عثمانؓ
اور حضرت علیؓ نے فیصلے کو حکمین ہی کے سپرد کر دیا اور صحابہ میں سے کسی ایک سے بھی اس
کی مخالفت منقول ہیں۔ یہ اختلاف تو تابعین کے دور میں شروع ہوا۔

یہاں یہ نکتہ پیش نظر رہے کہ صحابہ کے دور تک حکمین کے اختیار تفریق میں کوئی

اختلاف نہیں تھا۔ یہ اختلاف تابعین کے دور میں شروع ہوا۔

میرے نزدیک فقہاء کی ان دونوں رایوں میں کوئی خاص فرق نہیں۔ اصل معاملہ
یہ ہے کہ اگر قاضی حکمین کو صرف مصالحت کی کوشش کرنے پر مامور کرے تو ان کا اختیار
صرف مصالحت کی کوشش تک محدود رہے گا۔ اور اگر قاضی تفریق کا اختیار بھی سونپ
دے تو حکمین تفریق بھی کرا سکتے ہیں۔ (اگر حکمین کسی ایک بات پر متفق نہ ہوں تو قاضی
اپنی صوابدید سے کام لے گا)۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے حکمین کو مصالحت اور
تفریق دونوں کا اختیار دیا تھا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ حکمین کو اتنا ہی اختیار رہے گا

جتنا کہ قاضی انھیں دے۔ بہر حال فقہا کا ایک قابل اعتماد گروہ خود حکمین کو جب تفریق کا حق دیتا ہے تو قاضی کا یہ اختیار بطریق اولیٰ ثابت ہو جاتا ہے۔

حضرت سعید بن جبیر (تابعی) یہی رائے رکھتے ہیں کہ:

(ومن طریق حماد بن سلمة عن ايوب السختياني عن سعيد بن جبير قال) لا يكون الخلع الا حتى يعظها فان اتعظت والا ضربها فان اتعظت والا ارتفعا الى السلطان فيحدث حكما من اهلها وحكما من اهله يرفع كل واحد منهما الى السلطان ما يسمع من صاحبه فان رأى ان يفوق فراق وان رأى ان يجمع جمع جمع

(المحلى لابن حزم جلد ۱۰ صفحہ ۲۲)

خلع اس وقت ہوگا جب شوہر عورت کو پہلے پسند و نصیحت سے سمجھائے۔ وہ پسند و نصیحت قبول کرے تو فہما در نہ اسے ضرب لگائے۔ وہ مان جائے تو فہما ورنہ وہ دو سلطان (عدالت) امیر یا قاضی کی طرف رجوع کریں گے۔ پھر سلطان دونوں کے خاندانوں سے ایک ایک حکم مقرر کرے گا۔ پھر ہر ایک حکم اپنے موکل سے جو کچھ سناتا رہا اسے سلطان تک پہنچائے گا۔ اس کے بعد سلطان تفریق مناسب سمجھے گا تو تفریق کرادے گا اور ملا دینا مناسب سمجھے گا تو ملا دے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ عورت اپنے آپ کو کسی ضرر سے بچانے کے لیے مطلقاً طلاق کا حق رکھتی ہے اور قاضی اس کا اختیار رکھتا ہے کہ اسے شوہر سے طلاق دلوائے اور اگر شوہر طلاق نہ دے تو قاضی خود بھی طلاق دے سکتا ہے۔

امام مالکؒ کا مذہب اس مسئلے میں بالکل واضح ہے۔ ملاحظہ ہو:

سُئِلَ نَزَّانُ فِي ضَرْبٍ مِنْهُ مِنْ بَيْتٍ فِي حُجْرَةٍ مِنْ حُجْرَتَيْهَا

غالباً عربی عبارت میں یہ لفظ طبع ہونے سے رہ گیا ہے۔

وخالف في ذلك اما نكبة فذهبا الى ان للزوجة ان تطيب
التفريق اذا ما ضرها الزوج فاساء معا ملتها بان قطع كلامه منها
او دلت وجهه عندها في الفراش او ضربها او شتمها شتما مقدما
او اكرهها على محرم او هجرها بغير تاديب مع اقامته في البعد
او اثر امرأة عليها او عنعها من زيارة والديها او اخذ مالها
او اتصل شتمها لها وما الى ذلك امام القاضى و طببت منه
ان يفرق بينهما لهذا الضرر فان اثبتت ان زوجها اتى ذلك
معها ولو مرتة واحدة على المشهور في المذهب طبقها انقاضى
طلقة بائنة لخبر "لا ضرر ولا ضرار" (ايضا صفحہ ۳۰۸)

مالک نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے یہ راہ اختیار کی ہے اگر شوہر بیوی کو کچھ
تکلیف پہنچائے۔ اور اس کے ساتھ برا بھلا کرے مثلاً بول چال بند کر دے یا
بستر پر اس سے بے رخی بستے یا اسے مارے پیٹے یا فحش گالیاں دے یا کسی ناجائز کام
پر مجبور کرے یا بلا کسی تادیبی غرض کے تنہا چھوڑ دے یا وجود اس کے کہ دونوں ایک ہی
شہر میں رہتے ہوں یا کسی دوسری عورت کو اس پر ترجیح دے یا اس کے والدین کی ملاقات
سے اسے روکے یا اس کے مال پر قبضہ کرے یا اسے مسلسل گالیاں دیتا رہے اور اسی نوع
کی ایسی تکلیفیں پہنچائے جن کا عام طور پر اس طبقے کے لوگوں میں رواج نہ ہو اور وہ
نہ اس پر صبر کر سکتی ہو۔ نہ اس حالت میں اس کے ساتھ رہ سکتی ہو تو ان تمام
صورتوں میں وہ اپنا دعویٰ قاضی کے پاس لے جائے گی اور وہ اس سے اس قسم کے
ضرر کی بنا پر تفریق کا مطالبہ کرے گی۔ پھر اگر وہ یہ ثابت کر دے کہ شوہر نے اس کے
ساتھ ایک بار بھی اس قسم کا سلوک کیا ہے تو مالکیوں کا مشہور مذہب یہ ہے کہ قاضی
اس کو ایک بائنة طلاق دے دے گا کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ: لا ضرر ولا ضرار۔

(ر. نقصان اٹھاؤ نہ نقصان پہنچاؤ)

قاضی کو خلع کے موقع پر تفریق کا حق دینے میں بعض فقہانے غنت (نامردی) اور ایلا وغیرہ پر بھی قیاس کیا ہے اور یہ قیاس ہمارے نزدیک بالکل صحیح ہے۔
سعید بن جبیر کا مسک جو اوپر مذکور ہے۔ ذرا مختلف الفاظ میں نقل کرنے کے بعد
حصص لکھتے ہیں:

قال ابو بکر هذا نظير العتية والحبوب والايلاء في باب ان
الحاكم هو الذي يتولى النظر في ذلك . . . ۵۲۳

ابو بکر کہتے ہیں کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسی نامرد مقطوع الذکر اور ایلا جیسے معاملات
کی ہے جو میں حاکم ہی غور و فکر کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

گو یا خلع کے بارے میں قاضی کے اختیارات کو نامرد، مقطوع الذکر اور ایلا (بلکہ نعان
اور مفقود الخبر) پر بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اور اس قیاس میں ہم منفرد نہیں۔ سعید بن
جبیر اور ابو بکر بھی ہی مسک رکھتے ہیں۔

اب آئیے ایک سرسری نظر ایلا، نعان، غنت اور مفقود الخبر پر بھی ڈال کر دیکھ لیں کہ
ان مسائل میں فقہانے قاضی کے کیا اختیارات تعلیم کیے ہیں اس سے خلع کے بدلے میں
قاضی کے اختیارات کو قیاس کرنے میں بڑی مدد ملے گی۔

ایلا

زوج اپنی زوجہ کے پاس نہ جانے کی قسم کھالے تو اسے چار ماہ کے اندر اپنی قسم توڑ
کر کفارہ ادا کر لینا چاہیے۔ ورنہ چار ماہ ختم ہونے کے بعد یہی طلاق بائن ہو جائے گی لیکن
یہ تفریق امام شافعی کے نزدیک از خود نہیں ہوگی بلکہ:

تبين بتفريق القاضى لانه مانع حصرها في الجماع فينبوب القاضى

منابه في التشريع كما في الحب والعتة - (ہایہ جلد ۲ صفحہ ۸۱ س)

”وہ قاضی کی تفریق کے بعد بائن ہوگی کیونکہ وہ شوہر (عورت کے حق جمارع کو
روکتا ہے۔ لہذا قاضی اس جہاتی میں شوہر کا قائم مقام ہو جائے گا جس طرح جب ۵۲۳

۵۲۳ (احکام القرآن للجصاص جلد ۲، صفحہ ۲۳۱)

اور نامردی کی صورت میں ہوتا ہے۔

مذہب مالکیہ

یہاں مالکیہ کا مذہب بھی سن لیجیے :

فان امریۃ الحالیۃ بالرجوع و امتنع امریۃ بان یطلقها۔ فان
امتنع طلق علیہ الحاکم طلقاً واحداً رجعیۃ وقیل: یطلق
الحاکم بل یا امریۃ الحاکم. الزوجۃ ان تعلق نفسها ثم یحکم بہ...
فان لم یوجد حاکم۔ فانه تطلق علیہ جماعة المسلمین (الفقه

علی المذاهب الاربعۃ جلد ۲، صفحہ ۲۸۰، ۲۸۱)

اگر قاضی ایلا کرنے والے شوہر کو رجوع کا حکم دے اور وہ رجوع نہ کرے تو وہ اسے طلاق
دینے کا حکم دے گا۔ لیکن اگر وہ طلاق بھی نہ دے تو قاضی خود اسے ایک رجعی طلاق
دے دے گا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ قاضی خود طلاق نہ دے گا بلکہ زوجہ کو حکم دے گا
کہ وہ خود اپنے آپ کو طلاق دے دے۔ پھر قاضی اس پر طلاق کا حکم لگا دے گا.....
اگر کہیں قاضی موجود نہ ہو تو مسلمانوں کی ایک جماعت اسے طلاق دے دے گی۔

مذہب حنابلہ

ذو احنابلہ کا مسلک بوجہ غور سے سنئے۔

فان ابی یحییٰ عوینا امریۃ الحاکم بالطلاق فان لم یطلق طلقها
الحاکم علیہ واحداً او اثنتین او ثلاثاً لان الحاکم
قوانہ مقام الزوج فی ہذہ الحالۃ غموا یمذک الطلقات
الثلاث اذا قال الحاکم فسخت نکاحكما فانہ یصح ویکون
ذلک فسخا لاطلاقاً۔ ویس للحاکم ان یامریۃ بالطلاق الا اذا
ظلمت المرأۃ منہ ذلک (ایضاً صفحہ ۲۸۴، ۲۸۸)

اگر زایلا کرنے والا شوہر چار ماہ سے پہلے قاضی کے حکم کے مطابق اپنی زوجہ سے

اس کے معنی میں مقطوع الذکر ہوتا۔ ۴ و مثل ذلک ما اذا قال فرقت بینکما

ہم آغوش ہونے سے انکار کرے تو قاضی اُسے طلاق دینے کا حکم دے گا۔ اگر وہ طلاق بھی نہ دے تو اس کی طرف سے خود قاضی ایک یا دو یا تین طلاقیں دے دے گا۔ کیونکہ اس صورت میں قاضی شوہر کا قائم مقام ہے اور وہ تینوں طلاقوں کا مالک ہے اگر قاضی یہ کہہ دے کہ میں نے تم دونوں کا نکاح فسخ کر دیا تو یہ بھی صحیح ہوگا لیکن یہ فسخ ہوگا۔ طلاق نہیں ہوگی۔ اور یہی صورت (فسخ) ہوگی اگر قاضی یہ کہے گا کہ میں نے تم دونوں کے درمیان تفریق کر دی اور قاضی زوج کو طلاق کا حکم اس وقت دے گا جب اس سے عورت اس کا مطالبہ کرے۔

آپ نے قاضی کے اختیارات ملاحظہ فرماتے ہو وہ شوہر کو رجوع کا اور نہ طلاق کا حکم دے سکتا ہے۔ خود بھی ایک سے لے کر تین طلاقیں دے سکتا ہے۔ عورت کو یہ بھی حق دے سکتا ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو طلاق دے دے اور اگر قاضی کا وجود ہی نہ ہو تو مسلمانوں کی کسی معتبر جماعت کو بھی طلاق دینے کا حق ہوتا ہے۔

یہ ہیں مختلف ائمہ کے فیصلے ایلا کے بارے میں۔ ایلا، میں شوہر کو زوجہ سے ناراضی ہوتی ہے۔ لیکن عورت کا حق مارا جانا شریعت کو گوارا نہیں۔ پس اگر قاضی ہی اس مشکل کا حل پیدا نہ کر سکے تو وہ کس مرض کی دوا ہوگا؟ اب سوال یہ ہے کہ ایلا میں جب قاضی کو یہ اختیار ہے۔ اور ایسا ہی اختیار طلاق و فسخ کا دوسرے مسائل میں بھی ہے (جن کا ذکر آگے ہے) تو خلع کے مسئلے میں اسے کس منطوق سے بے اختیار قرار دیا جاسکتا ہے؟

ایلا کے مسلک میں مالکیوں اور ظاہریوں کا اختلاف ہے دونوں کی دلیلیں بھی سن لیجیے۔
 فان ما اكا فان يطلق عليه القاضى وقال اهل الظاهر يجبس حتى
 يظنهما بنفسه..... فمن داعى الاصل المعروف فى الطلاق
 قال لا يقع طلاق الا من الزوج ومن راعى الضرر والداخل من
 ذلك على النساء قلل يطلق السلطان وهو نظر الى المصلحة العامة
 هذا هو انذى يعرف بالقياس المرسل - والمنقول عن مالك
 العمل به - وكثير من الفقهاء يابى ذلك - (ہدایۃ الجہت جلد ۲ ص ۱۰۱)

امام مالک کہتے ہیں کہ قاضی ہی شوہر کی بجائے اسے طلاق دے دے گا۔ اور اہل ظاہر کا کہنا ہے کہ شوہر اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ وہ خود طلاق نہ دے دے۔۔۔۔۔ جو مسئلہ طلاق کی مشہور بنیاد کی رعایت کرتا ہے اس کا کہنا ہے کہ طلاق زوجی ہی کی طرف سے ہو سکتی ہے اور جس نے اس نقصان کی رعایت کی جو اس کی وجہ سے عورتوں کو پہنچتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ سلطان اس کی طرف سے طلاق دے دے یہ مصلحت عامہ کا اظہار کرتا ہے اور اسی کو قیاس مرسل کہا جاتا ہے۔ امام مالک سے اس پر عمل منقول ہے لیکن بہت سے فقہاء کو اس سے انکار ہے۔

لعان

شوہر اپنی زوجہ پر ناجائز تعلق کا الزام لگانے اور کوئی گواہ نہ پیش کر سکے تو قاضی ہی دونوں سے قسمیں لے لیتا ہے پھر قاضی ہی دونوں میں تفریق بھی کر دیتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کا مسلک اس بارے میں یہ ہے:

إذا التھتلا لیقح الھذا قنۃ حتی یفرق القاضی (ایضاً ص ۳۹، ۴۰)

جب دونوں لعان کر لیں تو جب تک قاضی ان دونوں میں تفریق نہ کرائے تب تک جبرانی واقع نہ ہوگی۔

اس تفریق کے لیے زوجین کی رضا مندی بھی ضروری نہیں

وان لم یرضیا بالفرفرة "اگرچہ دونوں (زوجین) جبرانی پر راضی نہ ہوں"

بلکہ اگر قاضی کی تفریق سے پہلے زوجین میں سے کوئی ایک مر جائے تو لواریث

باقی رہے گا:

لویمات اھلھا بعد الفراخ عن التلاع عن قبل تفریق الحاکم فنادی شاة

لعان ختم ہونے کے بعد قاضی کی تفریق سے پہلے اگر دونوں میں سے کوئی مر جائے

تو دوسرا وارث ہوگا۔

۲۵۵ اجماع الرعا یہ حاشیہ شرح درایہ جلد ۲ ص ۱۳ (۹)

۲۶۶ اجماع یہ حاشیہ ہدیہ، جلد ۲ صفحہ ۳۹۸، حاشیہ ۵

یہی مسلک امام احمد بن حنبل اور امام سفیان ثوری کا بھی ہے:
لا یقع (الفرقة) الا بجمک حاکم و بذا قال الثوری و احمد ^{۵۴}

قاضی کے فیصلے کے بغیر تفریق نہیں ہوگی ثوری و احمد کا بھی یہی مسلک ہے
محدثہ (نامردی)

اگر شوہر نامرد ہو تو قاضی علاج کے لیے ایک معینہ مدت تک مہلت دے گا اگر وہ
جماع پر قادر نہ ہو سکے تو تفریق کرادے گا۔

و اذا كان الزوج عیننا الجله الحاکم سنة فان وصل اليها
فبها والا فرق بينهما ^{۵۵} (ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۰)

اگر زوج نامرد ہو تو قاضی اسے (علاج کے لیے) ایک سال کی مہلت دے گا پھر اگر اس
نے ہم آغوشی کر لی تو نبھا ورنہ ان دونوں میں تفریق کرادے گا۔

مفقود و الخیر

شوہر اگر غائب ہو جائے اور اس کا کوئی پتہ نہ چلے تو ایک خاص مدت تک عورت
انتظار کرتی ہے اس کے بعد اسے مردہ فرض کر کے عدت و وفات گزارتی ہے۔ لیکن مردہ
قرار دینا خود عورت کا اختیار نہیں بلکہ:

هل يحتاج ذلك الى القضاء فيه قولان - والذى اختاره فى
القنية وغيرها انه يحتاج ذلك الى القضاء لان موته امر
محمتمل فما لم ينضم اليه القضاء لا يكون حجة -

آیا یہ معاملہ قضائے قاضی کا محتاج ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ مؤلف "قنیہ"
وغیرہ نے جو مسلک اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ قضائے قاضی کا محتاج ہے کیونکہ شوہر
کی موت ایک مشکوک بات ہے لہذا جب تک قضاء اس میں شامل نہ ہو یہ حجت نہ ہو سکے گی۔

ایک اور چیز بھی غور طلب ہے کہ خلع اور نامردی کے مسئلے میں تو عورت کو مرد سے شکایت

۵۴ (ہدایۃ المجتہد جلد ۲، صفحہ ۱۲۶)

۵۵ (عمدة الرناية حاشیہ شرح وقایہ جلد ۲ صفحہ ۲۹۳، حاشیہ ۳)

ہوتی ہے لیکن اس کے برعکس لعان اور ایلا میں مرد کو عورت سے شکوہ ہوتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ قاضی کو ہوا اختیارات تین چیزوں — عُقْدَہ، لعان اور ایلا — میں حاصل ہوتے ہیں، وہ چوتھی چیز یعنی خلع میں کیوں نہ حاصل ہوں گے؟ اس کے علاوہ ایک نکتہ خصوصی طور پر غور و فکر کا محتاج ہے کہ لعان کے مسئلے میں اگر میاں بیوی دونوں کے دونوں جدائی ناپسند کرتے ہوں جب بھی قاضی تفریق کر دیتا ہے ^{۲۹}۔ لکن خلع میں جب کہ ایک فریق یعنی شوہر جدائی پر راضی نہ ہو اور دوسرا فریق یعنی بیوی جدائی پر اصرار کر رہی ہو تو قاضی کو تفریق کا حق کیوں حاصل نہیں ہو سکتا؟ خصوصاً جب کہ ابن ماجہ کی حدیث جسیبہ میں "فصراق بینہما" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح الفاظ موجود ہیں جیسا کہ ہم شروع میں نقل کر آئے ہیں اور سعید بن جبیر کا مسلک بھی خلع کے بارے اور پر بتا چکے ہیں۔ اور حکمیں کو جب قاضی تفریق کا اختیار دے سکتا ہے (جیسا کہ سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، ابو سلمہ، شعبی، نخعی، مالک، اوزاعی اور اسحاق کا مسلک اور مذکور ہو چکا ہے اور شافعی احمد کا بھی ایک قول ایسا ہی موجود ہے اور اہل مدینہ کا اس پر عمل ہوتا ہے؛ تو خود قاضی اس حق تفریق سے کیونکر محروم رہ سکتا ہے؟

۲۹ جیسا کہ عمدۃ العیون کی مذکورہ بالا عبارت (وان لم یرضیا بالفرقة سے واضح

ہے۔

(۴)

نشے میں طلاق

بھارت سے ایک استفتا آیا ہے جس میں یہ سوال کیا گیا ہے کہ سکران (جو نشے میں ہو) کی طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

جواب

ا :- حضرت عمرؓ، عطاء، مجاہد حسن، ابن سیرین، ابن مسیب، عمر بن عبدالعزیز سلیمان ابن یسار، نخعی، زہری، شعبی امام مالک، میمون بن مہران، حمید بن عبدالرحمن قتادہ، سلیمان بن حرب، ثوری، حسن بن حی، اوزاعی، ابن شبرمہ وغیرہ اس کے قائل ہیں کہ نشے میں طلاق واقع ہو جائے گی۔

ب :- حضرت عثمانؓ، عکرمہ، طاہس، ابن عباس وغیرہ نشے کی طلاق کو صحیح نہیں سمجھتے۔

ج :- امام شافعی اور امام احمد، جابر بن زید وغیرہ سے دونوں طرح کے قول منقول ہیں۔

یہ تمام تفصیلات نصب الرایہ ج ۳، نو ۲۲۲ شائع کردہ مجلس علمی ڈھابیل ۱۳۵۷ھ میں موجود ہیں۔ اسل عبارت ملاحظہ ہو:

اخرج ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ عن عمر اجاز طلاق السکران بشہادۃ نسوة و اخرج عن عطاء و مجاہد و الحسن و ابن سیرین و ابن المسیب و عمر بن عبد العزیز و سلیمان بن یسار و النخعی و الزہری و الشعبی قالوا: یجوز طلاقہ و اخرج

عن المحکم قال : من طلق فی سکر من اللہ فلیس طلاقہ بشیء
 و من طلق فی سکر من الشیطان فطلاقہ جائز۔ و اخرج
 عن عثمان انه کان لا یجیز طلاق سکران و ان عمر بن
 عبدالعزیز کان یجیر حتی حدثہ ابان بذاک۔ و اخرج عن
 جابر بن زید و عکرمہ و طاؤس کانوا الا یجیزونہ۔ و اخرج
 مالک فی الموطا عن سعید بن المسیب و سلیمان بن یسار
 سئل عن طلاق السکران فقالا : اذا طلق السکران جائز
 طلاقہ و ان قتل قتل۔ قال مالک و ذاک الا مر عندنا۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے عورتوں کی شہادت پر
 نشے کی طلاق کو نافذ قرار دیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے عطا، مجاہد، حسن، ابن سیرین،
 ابن مسیب، عمر بن عبدالعزیز، سلیمان بن یسار، نخعی، زہری، شعبی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ
 یہ حضرات بھی نشے کی طلاق کو نافذ قرار دیتے ہیں۔ پھر حکم کا قول نقل کرتے ہیں کہ:
 ”اگر نشہ اللہ کی طرف سے ہو تو اس حالت میں طلاق کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ اور اگر
 شیطان کی طرف سے ہو تو طلاق واقع ہوگی۔“

حضرت عثمانؓ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپؓ سکران کی طلاق کو بے اثر قرار
 دیتے تھے۔ مگر عمر بن عبدالعزیزؓ اسے نافذ قرار دیتے تھے اور اس مسئلے پر ابان
 نے ان سے گفتگو کی۔ جابر بن زید، عکرمہ اور طاؤس کے بارے میں ابن ابی شیبہ
 یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ یہ حضرات ایسی طلاق کو نافذ نہیں قرار دیتے تھے۔ امام
 مالکؒ نے موطا میں لکھا ہے کہ سعید بن مسیب اور سلیمان بن یسار سے طلاق
 سکران کے بارے میں دریافت کیا گیا تو دونوں نے کہا سکران اگر طلاق دے تو یہ
 بڑ جائے گی اور اگر وہ قتل کرے تو اسے قتل کیا جائے گا۔ اطعم مالکؒ کہتے ہیں کہ
 ہمارے نزدیک یہی بات صحیح ہے۔

پھر حاشیہ علیٰ کی عبارت یہ ہے :

وفا علی ج ۱ ص ۲۰۸ - وجوزہ میمون بن مهران وحمید بن عبد الرحمن و قتادہ و جابر بن زید و الثوری و الحسن بن حی و الشافعی فی احد قولیه و قال مالک : طلاق السکران و جمیع افعالہ جائزۃ الا الرادۃ و زاد ابن قدامۃ فی المغنی ج ۸ ص ۲۵۲ ، واکا و ذاعی و ابن شبرمہ و احمد فی روایۃ سلیمان بن حرب -

محلّی ج ۲ ، ص ۲۰۸ میں ہے کہ میمون بن مهران ، حمید بن عبد الرحمن قتادہ ، جابر بن زید ثوری ، حسن بن حی ، اور ایک قول کے مطابق امام شافعی بھی ، یہی طلاق کو نافذ مانتے ہیں۔ امام مالک کا کہنا ہے کہ سکراں کی طلاق بلکہ اس کے تمام کام موثر ناغیر ہوں گے یہ جز ارتداد کے۔ ابن قدامہ نے مغنی ج ۸ ، ص ۲۵۲ میں ادزاعی ، ابن شبرمہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد اور سلیمان بن حرب کے ناموں کا بھی اضافہ کیا ہے۔

اب ان احادیث پر نظر ڈالیے تو یہ روایتیں ملتی ہیں :

۱- ان القلم مرفوع عن ثلاثہ : عن المجنون حتی یسیراً و عن السائک

حتى یستبیط و عن الصبی حتى یعقل (ابوداؤد عن ابن عباس)

دو تین قسم کے آدمیوں پر شرعی گزرت نہیں جنہوں پر تندہست ہونے تک ہوسونے والے پر جاگنے تک ، اور لڑکے پر عقل آنے تک۔

۲- حضرت علی کا یہ قول بخاری ، ترمذی اور ابن ماجہ کی کتاب الطلاق میں موجود ہے کہ :

کل الطلاق جائز الا طلاق المعتوی -

معتوہ کے سوا سب طلاقیں نافذ ہوں گی۔ زمعتوہ کے معنی ہیں نیم پاگل جو کبھی ہوش

میں ہو کبھی مجنون ہو جاتے۔

۳- حضرت عثمان کا قول بخاری کتاب الطلاق میں یوں ہے :

لیس لمجنون ولا لسکران طلاق -

مجنون اور سکون کی طلاق کوئی طلاق نہیں۔

۴۔ حضرت عائشہ کا قول ابو داؤد (کتاب الطلاق) میں یوں ہے:

لا طلاق ولا عتاق فی غلاق۔

سخت غصے کی طلاق اور عتاق دونوں بے اثر ہیں۔ (ابو داؤد نے غلاق کا مطلب

غصہ بتایا ہے)

۵۔ حضرت عبداللہ بن عباس کا قول بخاری کتاب الطلاق میں یوں ہے:

طلاق السکون و المستکرہ لیس بجائز۔

نشے اور جبر کی طلاق درست نہیں۔

۶۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا قول ترمذی کتاب الطلاق اور ابو داؤد کتاب الحدود

میں یوں ہے:

کل طلاق جائز الا طلاق المعتوه و المغلوب علی عقله

معتوه (نیم پاگل) اور مغلوب العقل کے سوا سب طلاقیں نافذ ہوں گی۔

ان روایات میں جو چیز نقطہ فاسکہ کی حیثیت رکھتی ہے وہ ہے: المغلوب علی عقله

یعنی جس کی عقل مغلوب ہو جائے۔

مغلوب العقلی کی بہت سی صورتیں ہیں۔ سخت غصے میں اچانک حادثے میں، فکر

و رنج میں، ہذیان میں، جنون میں، نیند میں، بے ہوشی میں، سخت تکلیف میں، انسان

بعض اوقات اس طرح اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے کہ اس کی عقل کام نہیں کرتی، اس وقت

اس کا کوئی فیصلہ درست نہیں ہوتا۔ بالکل یہی صورت اس وقت بھی ہوتی ہے جب

انسان نشہ پی کر بدست ہو جاتا ہے۔ انسان از خود پاگل ہو گیا ہو، یا کوئی دوائی کھا

کر اپنے آپ کو پاگل کر لیا ہو، دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اسی طرح مرض کی وجہ سے

بے ہوش ہو گیا ہو یا کوئی دوا کھا کر بالقصد بے ہوش ہو گیا ہو۔ دونوں نتائج کے

اعتبار سے یکساں ہیں۔ یہی صورت اس وقت بھی ہوگی جب کسی نے دھوکے سے نشہ پی

لیا ہو، یا جان بوجھ کر نشہ پیدا کر لیا ہو۔ دونوں کا حکم از روئے نتائج یکساں ہونے چاہئیں۔

یہ الگ بات ہے کہ بالقصد اپنے کو پاگل یا بے ہوش یا بدست کرنے کی سزا اسے دی جائے گی لیکن اس مغلوب العقلی کی حالت میں جو نتائج ہوں گے ان میں خطا و عہد کا کوئی فرق نہیں۔ از روئے حدیث عقل آنے سے پہلے مجنون اور جاگ جانے سے پہلے سو یا ہوا شرعی گرفت کا مستحق نہیں۔ کوئی وجہ نہیں کہ بدست کو اس کلیے سے باہر شمار کیا جائے۔

جب ہم قرآن مجید کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ اس نے طلاق کا جو نقشہ عمل (پروسیجر) بتایا ہے اس کا مقصد بے سوچے سمجھے طلاق دینے میں رکاوٹیں پیدا کرنا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ نکاح بھی سوچ سمجھ کر کیا جائے اور طلاق بھی غور و فکر کے بعد دی جائے۔ نیند، جنون، پندیان، بے ہوشی یا سخت تکلیف کی مغلوب العقلی کی حالت میں اگر ایجاب و قبول ہو جائے تو کیا وہ نکاح منعقد ہو جائے گا؟ کسی کو نشے میں بدست کر کے نکاح پڑھا دیا جائے تو کیا وہ نکاح صحیح ہوگا؟ صحیح بات تو یہ ہے کہ ہوش و حواس اور ارادہ و نیت کو نکاح میں اتنا زیادہ دخل نہیں جتنا طلاق میں ہے۔ طلاق دینے کے لیے کتاب و سنت نے جو طریقہ بتایا ہے وہ یہ ہے کہ اگر زوجین میں اختلاف ہو جائے تو دونوں میں مصالحت کرانے کے لیے دونوں فریق کی طرف سے ایک ایک حکم لیا جائے۔ وہ دونوں ہر ایک کا بیان سن کر مصالحت کی کوشش کریں (فابعثوا حکما من اہلہ و حکما من اہلہا ان یبریا ائہما یوفی اللہ بیدھما) پھر یہ ارشادِ نبوی ہے کہ طلاق احسن دی جائے یعنی پھر بلا طحا میں ایک طلاق دے کر عدت تک چھوڑ دیا جائے۔ پھر قرآنی حکم ہے کہ دو گواہوں کی موجودگی میں طلاق دی جائے۔ (واشھدوا ذوی عدل منکم۔ دو وعادل گواہوں کی موجودگی میں طلاق دو)

اور قرآنی حکم ہے کہ دوہلین عدت زوجین ایک ہی گھر میں رہیں اور اخراجات شوہر کے ذمے ہوں گے: (وامسکنواھن من حیث مسکنتم من وحبکم وکاتضاروھن لتضیفوا علیھن)

پھر قرآنی تصریح یہ بھی ہے کہ ایک طلاق کو متوکر کرنے کے لیے اگر دوسرے طہر
 بے وطی میں بھی ایک اور طلاق دے دی جائے تو اس کے بعد تیسرے طہر تک انتظار
 کیا جائے۔ اس طہر کے آنے سے پہلے یا تو رجوع کر لیا جائے یا (بغیر طلاق دینے)
 چھوڑ دیا جائے یعنی عدت ختم ہونے دی جائے۔ الطلاق عین فاسا مساک
 بمعروف و اتسار صحیح بالاحسان (طلاق صرف دو ہیں۔ اس کے بعد یا روک لینا ہے یا
 چھوڑ دینا) یہ طلاق بائن ہو جائے گی جس کے بعد تجدید نکاح کا موقع باقی رہتا ہے۔
 ذرا غور کیجیے! یہ تین قروء کی بھی میعاد اور طلاق کا یہ طریقہ (پوسج) کیا محض
 اس لیے نہیں کہ طلاق سے فوری جذبے کے تحت نہ ہو بلکہ ہوش و حواس کی قانہی کے
 ساتھ ہوں سوچ سمجھ کر مستقبل کے تمام نشیب و فراز اور عواقب و نتائج پر غور و فکر کرنے
 کے بعد ہو؟ کیا کتاب و سنت کا یہ اندازہ اور کچا نشے کی طلاق جس میں اسے
 کچھ معلوم نہیں کہ جو طلاق وہ دے رہا ہے وہ رجعی ہے یا بائن یا بتہ ہے۔ بلکہ اسے
 یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ طلاق دست رہا ہے یا نکاح پڑھا جا رہا ہے۔ یہ صحیح ہے
 کہ اسے نشے خوری کی سزا ملنی چاہیے لیکن اس کی سزا چالیس یا اسٹی ڈزے کی
 شکل میں ہونا چاہیے نہ کہ بیوی کی حیاتی کی صورت میں۔ یہ تفریق تو خود نشے سے بھی
 زیادہ بدتر کام ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مغلوب العقلی کی کوئی سی بھی شکل ہو اس میں
 طلاق کا مؤثر یا نافذ ہونا کوئی جاندار فتویٰ نہیں۔

ہم اس موقع پر ایک گزارش اور بھی کریں گے کہ جو حضرات ایسے نشے کی طلاق کو
 نافذ خیال کرتے ہیں وہ کم از کم اتنی عنایت ضرور کریں کہ اسے رجعی قرار دیں خواہ اس نے
 نشے کی حالت میں کتنی ہی طلاقیں دی ہوں اس میں یہ امکان تو رہے گا کہ وہ ہوش میں
 آنے کے بعد رجوع کر سکے گا۔ یوں بھی واقعہ یہ ہے کہ تین طلاقیں بیک مجلس رجعی ہی
 ہوتی ہیں مغلف نہیں ہوتیں۔ جیسا کہ ہم اسی کتاب میں واضح کر چکے ہیں۔

اب رہا یہ کہ نشے کی حدود کیا ہیں تو فقہاء کے نزدیک نشے خواہ پر شرعی تعزیر اس

وقت نافذ ہوگی جب وہ زمین و آسمان، مرد و زن میں کوئی تمیز نہ کر سکے۔ بعد اسے
 ادسا والحدود عن الشبهات (معمولی شبہ پر بھی حدود کو ٹال جاؤ) سزا سے بچانے کے
 لیے تو یہ شرط کہ زن و مرد اور زمین و آسمان میں تمیز نہ کر سکے۔ بڑی حد تک مانی جاسکتی
 ہے لیکن طلاق کے باب میں اس حد تک جانے کی ضرورت نہیں۔ اس سے کم دبیح
 کا بھی نشہ ہو تو طلاق کو غیر موثر ہی ہونا چاہیے۔ نشے کی آخری اور درمیانی حدوں
 میں وہی فرق ہے جو جنون اور عتاہت میں ہے۔ اور از روئے احادیث جنون اور
 معتوہ دونوں کی طلاق غیر موثر و غیر نافذ ہے۔ اسی طرح نشے کی آخری حد اور درمیانی
 حد دونوں کی طلاقوں کو غیر موثر سمجھنا چاہیے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ نابالغ کی طلاق کو ہمارے فقہا غیر موثر مانتے ہیں تا آنکہ وہ
 عاقل و بالغ نہ ہو جائے اور بدست کی طلاق کو موثر تسلیم کرتے ہیں حالانکہ ایک نابالغ لڑکا
 ایک بدست سے زیادہ عقل رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مغلوب العقل کا کوئی عقد
 بھی منعقد نہیں ہوتا۔ نہ عقیدہ نہ عقد نکاح اور نہ طلاق۔ جنون یا عتاہت میں، نیند
 میں، بے ہوشی میں، بیدیان میں، بدحواسی میں (خواہ وہ اچانک حادثے کی وجہ سے
 ہو یا انتہائی غم و فکر یا شدید کرب، یا پاگل بنا دینے والے غصے کے سبب سے ہو)
 کوئی خرید و فروخت کا سودا معتبر نہیں۔ اسی طرح مغلوب العقل کی حالت میں طلاق
 کو بھی غیر معتبر ہی سمجھنا چاہیے۔

یوں تو ہر مسئلے میں اختلاف موجود ہیں لیکن فیصلے کے لیے کسی ایک کو ترجیح دینی
 پڑے گی۔ نشے کی طلاق کو موثر ماننے والے فقہا بہت ہیں۔ لیکن میرا ذاتی رجحان حضرت
 عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، عکرمہ
 طاؤس اور جابر بن زید رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فتاویٰ کی طرف ہے۔ یا امام شافعی
 یا امام احمد بن حنبل کے ان اقوال کی طرف ہے جن میں وہ نشے کی طلاق کو غیر موثر تسلیم
 کرتے ہیں۔ میرے اس رجحان کی وجہ کتاب و سنت کا بتایا ہوا وہ طریقہ طلاق ہے جس
 سے بے سوچے سمجھے طلاق کی نفی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ مغلوب العقل خواہ کسی وجہ سے

ہو اس ہوش و حواس کے خلاف ہے جو تمام عقود کی جان ہے۔
اس سلسلے میں فقہاء کی کچھ مزید تصریحات بھی سن لیجیے۔ یہ کتاب الفقہ علی المنہاج

الاربعہ ج ۴ ص ۲۸۱ تا ص ۲۸۲ کا خلاصہ ہے :

۱۔ اگر کوئی جان بوجھ کر نشہ پیدا کرے تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔ لیکن اگر ازالہ مرض کے لیے استعمال کرے یا یہ گمان ہو کہ اس مقدار سے یا اس چیز سے نشہ نہ آئے گا لیکن آجاتے تو اس کی طلاق نہیں واقع ہوگی۔

۲۔ اگر ایسی نشہ آور چیز استعمال کرے جس کا استعمال گناہ ہے تو فان طلاقہ یقع علیہ زجرأ لہ۔ یہ طلاق زجرأ یا تو بنیاً واقع ہوگی۔ اور اگر اس کا استعمال گناہ کے ضمن میں نہ آتا ہو تو طلاق نہیں واقع ہوگی۔

۳۔ اذا شرب حشیشا و حنّ جنونا تاما فان طلاقہ لا یقع۔ اگر شیش پی کر مکمل پاگل ہو جائے تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

۴۔ امام اعظمؒ کا مسلک یہ ہے کہ جو نشہ استعمال کر کے ہڈیاں بکنے لگے اس کی طلاق واقع ہو جائے گی لیکن اگر وہ اس حد تک پہنچ جائے کہ گویا پاگل ہو جائے اور آسمان اور زمین یا زن و مرد میں تمیز نہ کر سکے فانہ کا یترب علیہ وقوع الطلاق اتفاقاً۔ تو بالاتفاق اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

نیز اگر کسی کو علم ہو کہ اس چیز سے نشہ پیدا ہو کر عقل جاتی رہے گی تو اس کی طلاق واقع ہوگی لیکن اگر اس کو معلوم ہو یا ظن غالب ہو کہ اس سے اس حد تک نشہ نہیں پیدا ہوگا مگر پیدا ہو جائے تو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ہمیں ان تمام تصریحات کی روشنی میں از سر نو غور کرنا چاہیے کہ طلاق سکران واقع ہو جاتی ہے یا نہیں؟ ہم اپنے فہم کے مطابق اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ سکران کی طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر ہوگی تو دوران عدت بہر حال وہ رجعی اور بعد مدت بائن ہوگی۔ مغلطہ کسی صورت نہیں ہوگی۔

(۵)

سہم جہیز اور مسلمان

”جہیز پر ہماری شائع کردہ کتاب مقالات میں ایک مفصل مضمون شائع ہو چکا ہے۔ اسے پڑھ لینا بھی مفید ہوگا۔ مندرجہ ذیل مضمون پر بعض جدید نکات سامنے آئے ہیں اور وہ قابل غور ہیں۔“

جب ہم کسی فرد یا جماعت کو کسی مقصد کے لیے تیار کرتے ہیں تو اس مقصد کے مطابق ضروری ساز و سامان مہیا کرتے ہیں۔ اگر طالب علم پڑھنے جا رہا ہو تو اس کا سامان پڑھنے لکھنے کی چیزیں ہوتی ہیں۔ اگر کوئی سفر پر جا رہا ہو تو رخت سفر باندھنا اس کی تیاری ہوتی ہے۔ اگر جنگ کے لیے جا رہا ہو تو خورد و نوش، اسلحہ اور سوار ہی وغیرہ مہیا کرتے ہیں۔ اگر کوئی قبر میں دفن ہونے جا رہا ہو تو اس کے کفن و دفن کا سامان کرنے میں۔ اگر کوئی دلہن رخصت ہو رہی ہو تو اس کا بناؤ سنگھار کرتے ہیں۔ غرض جس شخص کو کسی مقصد کے لیے تیار کرتے ہیں اسی تیاری کو عربی میں جہیز کہتے ہیں۔ البستان میں ہے:

- ۱۔ جہز القوم : اذ تكلف لهم جہازہم للسفر۔ جب ایک جماعت کے لیے رخت سفر مہیا کیا جائے تو کہیں گے جہز القوم۔
- ۲۔ جہز الغامی - اعد ما يحتاج الیہ فی غزوة۔ جہز الغامی کا مطلب ہے غازی کے لیے سامان حرب مہیا کرنا۔
- ۳۔ جہز فلا ناہیاً لہ جہاز سفرہ۔ جہز فلا نا کے معنی ہیں فلاں کے لیے رخت سفر مہیا کرنا۔

۴۔ جہز العروس اعد جہازہا۔ جہز العروس کے معنی ہیں دلہن کے

سامان مہیا کرنا۔

۵۔ جھنڈا لمبیت ارضد لہ اہبتہ من کفن وغیرہ۔ جھنڈا لمبیت کا

مطلب ہے مردے کے کفن وغیرہ کا سامان مہیا کرنا۔

اس تصریح سے واضح ہو گیا ہوگا کہ جھنڈا تجھیزا کے معنی ہیں کسی مقصد کے

لیے کسی کو تیار کرنا۔ اس تیاری کے ساتھ سامان کو عربی میں جھاز اور جہاز رحیم کے

زیر اور زبر سے کہتے ہیں۔ جیسا کہ شیخ عبداللہ لبنانی البستان میں لکھتے ہیں:

الجهاز للمیت والعروس والمسافر بالكسر والفتح ما يحتاجون

الیہ۔

”جہاز رحیم کے زیر اور زبر سے (مردے، دلہن اور مسافر کے لیے وہ چیز ہے

جس کی ان تینوں کو ضرورت ہے۔“

قرآن میں ہے: فلما جهزهم بجہازہم اذ یعنی حضرت یوسفؑ نے بھائیوں

کا سامان (راشن) تیار کر دیا۔ اس کا یہ مطلب کون لے سکتا ہے کہ جب حضرت یوسفؑ

نے بھائیوں کا ”سامان جہیز“ مہیا فرما دیا؟

اسی لفظ جہاز کا مالہ کر کے ”جہیز“ بنا لیا گیا ہے۔ جیسے رکابی سے رکیبی، جلابی سے

جلیبی۔ اور ماشاء اللہ سے ماشاء اللہ بنا لیا گیا ہے۔ یہ لفظ جہیز (بواؤ جہول) نہ عربی

ہے نہ فارسی بلکہ اردو ہے۔ عربی میں جہیز (بواؤ معروف) ہے جس کے معنی ہیں

ہلکا تیز رفتار گھوڑا۔ موت جہیز کے معنی ہیں اچانک مرگ۔

یہ لفظ ”جہیز“ اب ایک مخصوص اصطلاح بن گئی ہے یعنی جہیز اس تمام ساز و سامان

کو کہتے ہیں جو ماں باپ (یا ان کے قائم مقام ولی) اپنی طرف سے اپنی جیب سے رخصتی

کے وقت دلہن کے ساتھ کر دیتے ہیں۔ اس میں بسترہ، پلنگ کپڑے زیور، سنگھار کے

سامان چولہا، توپکانے اور کھلنے کے برتن وغیرہ ہوتے ہیں اور اب سلاخی کی مشین،

ریڈیو سیٹ، ٹیلی ویژن سیٹ اور سوفہ سیٹ وغیرہ بھی ہوتا ہے۔ اس ساز و سامان

کا نام جہیز ہے۔ دلہن کے دوسرے رشتے دار جو تحائف پیش کرتے ہیں ان کا شمار

جہیز میں نہیں۔ شادی کے موقع پر ہر برادری کا ایک اور رواج بھی ہے کہ باراتی طعام کے وقت دلہن والوں کے رشتہ دار اور دعوتِ ولیمہ کے وقت دولہا کے رشتہ دار کچھ رقمیں بھی پیش کرتے ہیں جسے نیوتا کہتے ہیں۔ بعض جگہ مانجھا (جوڑا) دینے کا بھی رواج ہے۔

والدین کا لڑکی کو جہیز دینا یا دوستوں کا تحائف پیش کرنا یا نیوتا یا مانجھا دینا یہ سب ایسی رسمیں ہیں جو کسی افادہ منظر سے ایجاد ہوئی ہیں۔ تاہم کسی رسم کے متعلق یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ یہ سنتِ رسولؐ اور لازمہ شادی ہے۔ اسلامی شریعت میں نکاح کے بعد عروس کی تمام ضروریات کی ذمے داری شوہر کے سر آجاتی ہے۔ ان ضروریات میں حسب استطاعت مکان، لباس، خوراک، اثاثہ البیت وغیرہ سب کچھ آجاتا ہے۔ اس کی ذمے داری ماں باپ (یا ان کے قائم مقام ولی) پر نہیں رہتی۔ اگر شوہر غیر مستطیع ہو اور والدین صاحب استطاعت ہوں تو بیٹی یا داماد کی امداد کرنا بہت بڑی نیکی محبتی ہے اور والدین کی محبت کا ایک فطری تقاضا بھی۔ والدین پیدا ہونے کے بعد سے جوانی تک اپنی بیٹی کو بہت کچھ دیتے رہتے ہیں۔ اگر بیاہنے کے بعد بھی کچھ دے دیں تو اس میں کوئی تعجب کی بات ہے؟ شادی سے پہلے اور شادی ہو چکنے کے بعد والدین جو کچھ بھی اپنی بیٹی کو دیتے رہتے ہیں اسے کوئی جہیز نہیں کہتا۔ جہیز صرف اس سارے سامان کو کہا جاتا ہے جو بیاہتے وقت دیا جاتا ہے۔ حالانکہ شادی کے وقت جو کچھ دیا جاتا ہے وہ بھی اسی طرح کی ایک امداد ہے جس طرح شادی سے پہلے اور شادی ہو چکنے کے بعد کچھ دینا ایک امداد ہے۔ خالص شادی کے وقت کچھ دینا نہ سنتِ رسولؐ ہے نہ سنتِ صحابہ۔ نہ لازمہ شادی نہ جزو نکاح۔ شادی کے وقت سارے سامان جہیز کرنے کے لیے ہم نے جو ایک اصطلاح "جہیز" کی بنالی ہے وہ ایک ایسی اصطلاح ہے جو شریعتِ اسلامیہ اور اسلامی تاریخ میں کبھی متعارف نہیں رہی ہے۔ اس کے لیے مندرجہ ذیل نکات پر غور کیجیے:

۱۔ اصطلاح جہیز کے لیے عربی زبان میں کوئی لفظ ہی موجود نہیں۔ لفظ جہاز

کے متعلق ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یہ ہر قسم کے رخت کے لیے ہے صرف دلہن کے لیے نہیں۔ ہاں اب جہیز کے لیے ایک عربی لفظ ایجاد ہوا ہے اور وہ ہے بائندہ۔ لیکن یہ لفظ مؤنث ہے۔ مولد کے معنی یہ ہیں کہ اس معنی میں یہ لفظ قدیم عربی لغت میں موجود نہیں بلکہ اس کا شمار لغات جدیدہ میں ہے جیسے مذاہن کے معنی لاؤ سپیکر۔ مدّٰ مترج کے معنی بلڈوزر وغیرہ۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ جس مفہوم کے لیے عربی میں کوئی لفظ ہی موجود نہیں وہ سنتِ رسولؐ کیسے ہو جائے گا؟

۲۔ جہیز دینا اگر سنت ہوتا تو اس کا ذکر ان ہزاروں شادیوں میں موجود ہوتا جو عہدِ نبوت میں ہوئیں۔ حضورؐ نے اپنی حقیقی صاحبزادیوں کو بھی بیاہا۔ حضرت زینبؓ سیدنا ابوالعاصؓ سے حضرت رقیہؓ سے ام کلثومؓ کے یکے بعد دیگرے سیدنا عثمانؓ سے بیاہی گئیں لیکن کہیں جہیز کا ذکر نہیں آتا۔ خود حضورؐ کے کاشانے میں متعدد ازواجِ مطہرات آئیں لیکن جہیز ساتھ لانے کا ذکر موجود نہیں۔ اگر جہیز دینا سنت ہوتا تو ان ہزاروں شادیوں میں کہیں تو جہیز کا ذکر آتا۔ جو صحابہ نے نہیں۔

۳۔ قرآن اور حدیث میں ازدواجی زندگی کی بہتری چیزیات کا ذکر موجود ہے۔ مثلاً ہر۔ تعدد ازواج۔ باری مقرر کرنا۔ رخصت کی اجرت۔ مسکن اور نان نفقے کی ذمہ داری حسن سلوک اور دیگر حقوقِ زوجین، حلال و حرام رفتے، عدت، عقد ثانی، اولاد اور حفاقت وغیرہ۔ غرض ازدواجی زندگی کے ایک ایک جزئیے کا ذکر کتاب اللہ اور سنت رسولؐ میں موجود ہے۔ لیکن جس چیز کا اشارہ بھی ذکر نہیں ملتا وہ رسم جہیز ہے۔ انتہا یہ ہے کہ فقہ کی کتابوں میں بھی کوئی باب الجہیز موجود نہیں۔ (متاخرین کے فتاویٰ میں اس کا ذکر ایک آدھ جگہ ملتا ہے لیکن یہ ہمارے موضوع سے خارج ہے) پھر ایک ایسی شے کو سنت کس طرح قرار دیا جاسکتا ہے جس کا کوئی ذکر کتاب و سنت اور فقہ میں موجود نہ ہو بلکہ اس مفہوم کے لیے عربی لغت میں کوئی لفظ ہی نہ پایا جاتا ہو۔

جہیز کے متعلق سنتِ رسولؐ ہونے کی غلط فہمی سنن نسائی وغیرہ کی جس حدیث سے پیدا ہوئی وہ یوں ہے :

جَهَّزَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ فِي خَمِيلٍ وَقَرَبَةِ
وَسَادَةِ حَشْوَهَا اذْخَرَ^{لِ}

یعنی حضور نے جناب فاطمہ کو تیار کیا ایک چادر مشکیزے اور ایک تکیے میں جس میں اذخر بھرا ہوا تھا۔
یہاں لفظ جَهَّزَ کا مفہوم یہ لیا گیا ہے کہ حضور نے جہیز میں یہ یہ چیزیں دی تھیں
جہن کا مطلب صرف تیار کرنا ہے جیسا کہ ہم اوپر واضح کر چکے ہیں۔ مطلب اس
عبارت کا صرف یہ ہے کہ حضور نے جب سیدہ فاطمہ کو رخصت کیا تو اس وقت یہ چیزیں
مہیا فرمائیں۔ اس کا یہ مطلب ہی نہیں کہ چیز میں یہ یہ چیزیں نہیں۔

اس مفہوم کی روایت سنن ابن ماجہ میں بھی ہے۔ اس کے الفاظ پر ذرا غور کیجیے:
ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اتى علياً وفاطمة وهما
فوخميل لهما قد كان رسول الله صلى الله عليه وسلم
جهنهما اجما ووسادة لحشوة اذخر او قرينة^ل

”یعنی حضور حضرت علیؑ و فاطمہؑ کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت ان دونوں کے
پاس ایک چادر تھی جو حضور نے ان دونوں کو مہیا فرمائی تھی اور نیز ایک تکیہ تھا جس میں
اذخر بھرا ہوا تھا اور ایک مشکیزہ تھا۔“

یہاں جَهَّزَ کا لفظ ہے جس کے معنی محض یہ ہیں کہ حضور نے ان دونوں کے لیے یہ
چیز مہیا فرمائی تھی۔ اگر یہاں جَهَّنَ ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جہیز بیٹی کے علاوہ داماد کو بھی دیا جاتا ہے۔ جَهَّزَ
جہیز میں دی تھی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جہیز بیٹی کے علاوہ داماد کو بھی دیا جاتا ہے۔ جَهَّزَ
کے معنی ہیں هَيَّأَ، اَعَدَّ، اَتْرَاحَدَ یعنی مہیا کیا تیار کیا جیسا کہ تمام لغات میں موجود ہے۔
”جہیز دیا“ کے معنی میں یہ لفظ کبھی مستعمل ہی نہیں ہوا۔ جہیز کے مفہوم کے لیے تو عربی لغت
میں کوئی لفظ ہی نہیں اور یہ مفہوم شرع میں کبھی متعارف ہی نہیں رہا ہے۔

جَهَّنَ کے لفظ کا ترجمہ ”جہیز دینا“ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی لغات جدیدہ میں

لہ (نسائی جلد دوم ص ۷۵، طبع کراچی)

بلکہ (ابن ماجہ کتاب الزہد، باب شجاع آل محمد ص ۱۳۶، حدیث نمبر ۵۲، طبع علمی البالی بھلی)

مدد متہ کے معنی بلڈ وزر دیکھ کر کوئی شخص قدم نہا تہا تہا میرا کا ترجمہ یہ کرے کہ ہم نے بلڈ وزر بھیج کر اس بستی کو تباہ کر دیا۔

اب ایک ضروری نکتہ بھی سن لیجیے کہ حضور نے جو چیزیں حضرت فاطمہؓ (نیز حضرت علیؓ) کے لیے مہیا فرمائیں اس میں جہیز کے مفہوم کا شائبہ تک نہ تھا۔

۱۔ جہیز اصطلاح میں اس ساز و سامان کو کہتے ہیں جو باپ (یا ماں یا ان کے قائم مقام ولی) اپنی طرف سے اور اپنی جیب سے مہیا کرتے ہیں۔ حضور نے جو کچھ مہیا فرمایا وہ اپنی طرف سے نہ تھا بلکہ مہر کی رقم سے مہیا فرمایا تھا جو حضرت علیؓ نے رخصتی سے پہلے ہی حضور کی خدمت میں حاضر کر دی تھی۔ اس کی تفصیل زرقانی اور روضۃ الصفا کے مؤلفوں سے سنیے:

المواہب اللدنیہ فی المنح المحمدیہ سیرت نبوی کی مشہور کتاب ہے جس کے مؤلف شہاب الدین ابوالعباس احمد بن محمد بن ابی بکر قسطلانی ہیں۔ ان کی ولادت کا سن ۸۵۱ھ ہے اور سنہ وفات ۹۲۳ھ ہے۔ اس کتاب کی شرح کا نام ہے اشراق مصابیح السیرۃ محمدیہ بمنزج اسماء المواہب اللدنیہ شارح کا نام محمد بن عبدالباقی بن یوسف زرقانی ہے۔ جن کی ولادت ۵۵۰ھ میں اور وفات ۱۱۲۲ھ میں ہوئی۔ یہ شرح زرقانی کے مختصر نام سے مشہور ہے۔ اس متن و شرح کا جو نسخہ اس وقت میرے سامنے ہے وہ مطبعہ ازہریہ منیریہ ۱۳۲۵ھ کا شائع کردہ ہے۔ اس کی جلد دوم صفحہ ۳ اور ۴ کی عبارت اور اس کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔ ذکر تزدیج علی بفاطمہ رضی اللہ عنہما کے عنوان کے تحت ہے۔ لکھتے ہیں:

حتى انشیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت: تزوجنی فاطمہ؟

قال عندك شیء؟ فقلت: فرسی و بدنی۔ قال: اما فسک فلا بد لك

منها و اما بدتك فبعها فبعترها من عثمان بن عفان۔ با بیع مائتہ

و ثمانین درهما ثم ان عثمان رد الدرع الی علی فجاء بالدرع والدائم

الی المصطفی صلی اللہ علیہ وسلم فدعا لعثمان بدعوات کما فی روایۃ۔

فَجَثَّتْ بِهَا فَوْضَعَتَهَا فِي حَجْرَةٍ فَقَبِضَ مِنْهَا قَبْضَةً فَقَالَ: اِي بِلَال

اِتَّبِعْ لَنَا بِهَا فِيمَا وَفِي رِوَايَةِ ابْنِ ابِي خَيْثَمَةَ مِنْ عَلِيٍّ: اِمْرُوسِي اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ اِنْ يَجْعَلُ ثَلَاثَ اَكَادِبَةٍ مِائَةً وَثَمَانِينَ فِي الطَّيِّبِ ... وَ اِمْرُوسِي

اِنْ يَجْعَلُهَا فَيَجْعَلُ لَهَا سَبْعِينَ مِائَةً وَسَادَةَ مِنْ اَدَمِ حَشْوِهَا

لَيْفَ - (نشان زدہ الفاظ متن کے ہیں اور خالی عبارت شرح کی ہے)

(یعنی آخر میں (علیؑ) نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ: کیا حضورؐ فاطمہ کو

مجھ سے بیاہنا پسند فرمائیں گے؟ حضورؐ نے پوچھا: کیا تمہارے پاس کچھ (مال)

ہے؟ میں نے عرض کیا، میرا گھوڑا ہے یا زرہ - فرمایا، گھوڑے کی تو بہر حال تمہیں

ضرورت رہے گی۔ رہی زرہ تو اسے فردخت کر دو۔ چنانچہ میں نے عثمان بن عفان کے

ہاتھ چار سو اسی درہم میں فردخت کر دی۔ اس کے بعد عثمانؓ نے وہ زرہ بھی واپس

کر دی۔ حضرت علیؑ وہ زرہ اور رقم لے کر حضورؐ کی خدمت میں آئے۔ حضورؐ نے عثمانؓ

کے حق میں دعائے خیر فرمائی جیسا کہ بعض روایات میں ہے۔ پھر میں (علیؑ) رقم

لے کر آیا اور حضورؐ کی گود میں رکھ دی۔ حضورؐ نے اس میں سے ایک ٹمھی بھر کر فرمایا

کہ: بلال! اس رقم کی خوشبو خرید کر ہمارے پاس لے آؤ۔ ابن ابی خثیمہ نے حضرت

علیؑ کی زبانی جو روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ: حضورؐ نے حکم فرمایا کہ: ان

چار سو اسی درہموں کی تہائی (ایک سو ساٹھ درہم) خوشبو میں صرف کی جائے....

پھر حضورؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ ان (فاطمہؑ) کا سامان مہیا کریں۔ چنانچہ ان کے لیے

ایک بٹی ہوئی چار پائی اور ایک چرمی تکیہ جس میں کچھور کی چھال بھری تھی تیار کیے گئے

مذکورہ بالا عبارت تو موہب اور اس کی شرح تھی۔ اب ایک اور کتاب کی عبارت بھی

ملاحظہ ہو۔ اس کا نام ہے روضۃ الصفا فی سیرۃ الانبیاء والملوک والخلفاء۔ اس

کے مؤلف شیعہ فرقے سے تعلق رکھتے ہیں اور کتاب فارسی زبان میں ہے جس کا وہ نسخہ میرتب

سالنے ہے جو نو لکھنؤ پریس نے رمضان ۱۳۰۸ھ مطابق مئی ۱۸۹۱ء میں شائع کیا ہے۔ اس

کے مؤلف ہیں المورخ میرخواند محمد بن خاوند شاہ بن محمود ہروی۔ مؤلف کا سنہ وفات ۱۳۰۸ھ

ہے۔ اس کی جلد دوم صفحہ ۷۴، ۷۵ کی عبارت یوں ہے:

”پول حضرت علی فاطمہ را خواستگاری نمود حضرت رسول فرمود کہ مہر اور اچھ می سازی؟ جواب داد کہ نزد من چیزے نیست حضرت فرمود کہ زرہ خطمیہ تو کجا است؟ عرض کرد موجود است۔ حضرت فرمود کہ آن را صدق ساز۔ گویند کہ حضرت علیؑ آن زرہ را بچہار صد و ہشتاد درہم بعثمان فروخت و آن زرہ ہے بود فرخ و سنگین کہ یہ شمشیر بود کار نمی کرد۔ عثمان بعد از خریدن بحضرت علی بخشید و مرتضیٰ علی زرہ و پہلے آن کہ چہار صد و ہشتاد درہم بود بخدمت مصطفیٰ آورد و حضرت در بارہ عثمان دعا فرمود۔ روایتے آنست کہ دو دانگ وجہ مذکور ابھوئے خوش صرف کردند چہار دانگ اور اچہار مصرف داشتند و ازاں جملہ دو جامہ برد بود دو بازو بند نقر و دو لحاف کتان و یک نہانے ازاں جنس ہوچھے دو نہانے گفٹہ اند، و بعضے از جزئیات دیگر کہ محتاج الیہ بود ازاں زر مرتب ساختند۔“

جب حضرت علیؑ نے فاطمہ زہرا کی خواہش ظاہر کی تو حضورؐ نے پوچھا کہ، ان کے مہر کے لیے کیا کرو گے؟ عرض کیا کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں۔ فرمایا کہ: تمہاری وہ خطمی زرہ کہاں ہے؟ عرض کیا: وہ تو موجود ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ بس اسی کو مہر قرار دو، کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے وہ زرہ چہار سو اس درہم میں عثمان کے ہاتھ فروخت کی۔ وہ زرہ ایسی کشادہ اور سخت تھی کہ اس پر تلوار بھی کوئی اثر نہ کر سکتی تھی۔ عثمان نے وہ زرہ خریدنے کے بعد حضرت علیؑ کو واپس کر دی۔ علی مرتضیٰ وہ نہہ اور اس کی قیمت چہار سو اس درہم تھی لے کر خیر مصطفیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضورؐ نے عثمان کے حق میں دعا فرمائی۔ ایک روایت یہ ہے کہ حضورؐ نے اس رقم کے دو حصے تو خیر میں صرف فرمائے اور چار حصے دوسرے چار مصرف میں۔ مثلاً دو جامہ برد (برد دھاری دار کپڑے کی ایک قسم ہے)۔ دو نقری بازو بند۔ ایک بستر کا لحاف اور اسی کا ایک تکیہ۔ بعض مورخین دیکھتے بتاتے ہیں اور بعض وہ چیزیں جن کی ضرورت تھی۔ یہ سب کچھ اسی رقم (مہر) سے حضورؐ نے تیار فرمایا۔“

مذکورہ بالا عربی اور فارسی عبارتوں کے بعد کسی مزید تشریح میں جانے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ یہ بات واضح ہے کہ سارا اثاثہ البیت حضور نے مہر فاطمہ ہی کی رقم سے مہیا فرمایا تھا۔ اب اگر کسی کو اس حقیقت سے انکار ہو تو یہ اس کا فرض ہے کہ وہ کوئی ایسی روایت دکھائے جس میں یہ صراحت ہو کہ حضور نے یہ سامان رقم مہر سے مہیا نہیں فرمایا تھا بلکہ اپنی جیب سے یہ رقم ادا فرمائی تھی۔ پس اگر جہیز دینا سنت ہے۔ (جو صرف حضرت فاطمہؓ کو دیا گیا اور کسی کو نہیں دیا گیا) تو پھر یہ بھی ضروری سنت ہے کہ باپ یہ سامان جہیز مہر کی رقم سے پورا کرے نہ کہ اپنی طرف سے۔

۲۔ یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے اگر واقعہ جہیز دینا سنت اور لازمہ ازدواج ہے تو یہ صرف جناب فاطمہؓ کے ساتھ کیوں مخصوص رہا اور دوسری صاحبزادیوں کو یہ جہیز کیوں نہ دیا؟ نیز ازواج مطہرات اپنے ساتھ کوئی جہیز کیوں نہ لائیں؟ پھر اور ہزاروں صحابیات کے ازدواج کے ذکر میں کیوں جہیز کا کوئی ذکر نہیں ملتا؟ اس سوال کا جو جواب ہے اس سے خود ہی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضور نے جو کچھ دیا وہ جہیز نہ تھا۔ بلکہ ایک مخصوص ضرورت یا -EMERGENCY- تھی۔ واقعات یوں ہیں کہ حضرت علیؓ کا کوئی الگ گھر نہ تھا جہاں وہ جناب فاطمہؓ کو لے جا کر آباد کرتے۔ گھر دامادی کا کوئی رواج نہ تھا اور شادی کا مطلب ہی تھا ایک الگ گھر بسانا۔ حضرت حارثہ بن نعمان انصاری نے اپنا ایک گھر اس نئے جوڑے کے لیے پیش کیا۔ اس خالی گھر کو اثاثہ البیت کی بہر حال ضرورت تھی۔ یہی چند ضروریات خانہ داری اور کچھ دلہن کی تیاری تھی اور اس کو بھی حضور نے مہر کی رقم سے پورا کیا۔ حضور نے اپنی دوسری صاحبزادیوں کے لیے اتنا کچھ سامان بھی نہ کیا کیونکہ جہاں وہ رخصت ہو کر جا رہی تھیں وہ گھر پہلے سے موجود تھے اور اثاثہ البیت بھی موجود تھا۔ اگر حضرت علیؓ کا بھی کوئی گھر اور اثاثہ البیت پہلے سے موجود ہوتا۔ جیسا کہ حضرت ابوالعاصؓ اور حضرت عثمانؓ کے پاس موجود تھا۔ تو حضور کو حضرت فاطمہؓ کے لیے اتنا کچھ کرنے کی بھی ضرورت نہ پڑتی۔ پس سنت دراصل یہ ہے کہ اگر بیٹی کسی ایسے گھر میں رخصت ہو کر جانے والی ہو جو اثاثہ البیت سے

خالی ہو تو اس کو اثاث البیت مہیا کرنا (نہ کہ جہیز دینا) چاہیے۔ اور پھر یہ بھی مہر ہی کی رقم سے مہیا کرنا چاہیے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ بیٹی کو شادی سے پہلے یا بعد یا شادی کے وقت کچھ نہیں دینا چاہیے یا رخصت کرنے سے پہلے اس کے بدن کے کپڑے بھی اتروائینا چاہیے۔ آپ ساری عمر اس کو دیتے رہیے۔ لیکن اسے جہیز تو نہ کہیے اور جہیز کا ترجمہ ”جہیز دینا“ تو نہ کیجیے۔ اگر جہیز کی اصطلاح ہی استعمال کرنا ضروری ہو تو اسے لازمہ شادی تو نہ سمجھیے۔ اور اگر لازمہ ازدواج ہی سمجھتے ہیں تو اسے سنتِ رسولؐ یا سنتِ صحابہؓ تو نہ کہیے۔ اسے زیادہ سے زیادہ تحائف، ہوتے اور مانجھ وغیرہ کی طرح کا ایک رسم و رواج کہیے جو مختلف برادریوں نے کسی زمانے میں اہل اوبائی وغیرہ کی مصلحت کو سامنے رکھ کر قائم کیا ہوگا لیکن رسم و رواج کو سنتِ رسولؐ سے کیا تعلق؟ آپ جو کچھ کرنا چاہتے ہیں شوق سے کیجیے لیکن اسے محض رسم و رواج کا درجہ دیجیے جس میں ترمیم کرنے یا بندی عاید کرنے یا اسے ترک کرنے کی ہر وقت گنجائش موجود ہے۔ اسے نہ وری سنتِ رسولؐ سمجھ کر اس کی فکر میں گھلتے رہنے کو شریعتِ اسلامیہ سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ صرف ایک رسم ہے جو ہندوؤں سے لی گئی ہے۔ ہندوؤں کے ہاں بیٹی کو ترکہ نہیں ملتا اس لیے وہ ایک بار ”دان“ (جہیز) کے نام سے بہت کچھ بیٹی کو دے دیتے ہیں۔ ہندو خود اب اس رسم پر پابندی عاید کر چکے ہیں اور ساتھ ہی بیٹی کو ترکہ بھی دینے لگے ہیں لیکن ہم نے ہندوؤں سے جو رسم لے کر اختیار کر لی اس پر ابھی تک سنتِ رسولؐ کا ٹھپالگا کر قائم ہیں:

ہم ہوتے کافر تودہ کافر مسلمان ہو گیا

(۶)

حضانة کے مسائل

حضانة کی تعریف

« معناه لغة مصدر حضنت الصغير حضانة تحملت
 مؤنثه و تربیتہ و فی الشریع حفظ الصغیر و العاجز و
 المجنون و المحتویہ مما یضربہ بقدر المستطاع و القیام
 بتربیتہ و مصالحہ من تنظیف و اطعام و ما ینتمی لراحته...^۱
 » حضانة مصدر ہے جس کے لغوی معنی ہیں تغذیہ و تربیت کی ذمہ داری لینا۔ شرعی
 اصطلاح میں اس کے معنی ہیں خورد سال معذور اور نیم مجنون کو بقدر امکان نقصان لاس
 چیزوں سے بچانا اور اس کی تربیت اور بسود مثلاً صفائی، خوراک اور ضروری آرام وغیرہ
 کا خیال رکھنا۔^۲

قرآن پاک میں اس کے متعلق کوئی واضح حکم نہیں، احادیث میں میں قسم کے نبوی قدصلی
 ملتے ہیں:

۱۔ بچے کو ماں رکھنے تا آنکہ وہ عقد ثانی نہ کر لے۔ یہ مطلقہ کے لیے ہے۔^۳

۱ (الفقه علی المذہب الاربعہ ج ۲ ص ۵۹۴)

۲ (ابوداؤد جلد ۱ ص ۱۱۰-۱۱۱)

۳۔ مسئلے میں امامیہ کا مسلک کچھ نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو: من لایحضرہ الفقید ج ۲ ص ۲۷

ص ۲۷۔ الشبصار جلد ۳، ص ۲۲۰، تہذیب الاحکام جلد ۲، ص ۲۷۸، اصول کافی جلد ۲، ص ۹۳۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ بھی حضرت عمر کے صاحبزادے عاصم کے بارے میں یہی تھا
عاصم کی والدہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی تھی۔ (موطا امام مالک ص ۲۲۱)

۲۔ خالہ رکھے۔ یہ اس کے لیے ہے جس کی والدہ نہ رہی ہو۔ (الرداؤد جلد ۱، صفحہ
۱۱۰، ۱۱۱) صحیح بخاری جلد ۲، ص ۲۱۰

۳۔ بچے کو اختیار دیا جائے کہ وہ والدین میں سے جس کے ساتھ رہنا چاہے رہے۔
یہ بھی مطافہ کے لیے ہے۔
حضانت (پرورش و نگہداشت)

مشکل سے ہی یہ بات تصور میں آسکتی ہے کہ والدین صحیح الدماغ ہوں۔ اپنا گزارہ
کسی طرح کر لیتے ہوں۔ مگر ماں بچے کی پرورش سے یا باپ اس کے اخراجات اٹھانے سے
انکار کرے۔ یہ سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب:

۱۔ طلاق نے بچے کے والدین میں جدائی پیدا کر دی ہو۔

۲۔ بچے کے والدین (یا دونوں میں کسی ایک کی) موت واقع ہو گئی ہو۔

۳۔ کوئی ایک مفقود الخبر ہو جس کی وجہ سفر، کوئی ہنگامی افراتفری، اغوا، یا دماغی

خرابی وغیرہ ہو سکتی ہے۔

۴۔ ایسی معاشی تنگی پیدا ہو گئی ہو کہ بچے کے والدین خود اپنے آپ کو بھی زندہ
نہ رکھ سکتے ہوں۔

۵۔ حاضن (پرورش و نگہداشت کنندہ) کو ایسی بیماری لاحق ہو گئی ہو جو محضون
ذریعہ نگہداشت و پرورش کی پرورش و نگہداشت میں خلل انداز ہو۔

۶۔ زوجین کے ناز و ابرتاؤ یا چڑھ چڑھے پن نے ایسی صورت حال پیدا کر دی ہو
وغیرہ وغیرہ۔

ایسے موقعوں پر چند سوال پیدا ہوتے ہیں:

۱۔ حضانہ کا زیادہ حقدار کون ہے؟

ب۔ حاضن کے لیے کیا شرائط ضروری ہیں؟

ج۔ حضانہ کی مدت زیادہ سے زیادہ کیا ہے؟

د۔ محضون کے اخراجات کس کے ذمے ہوں گے؟

ترتیب وار مندرجہ بالا سوالات کے جوابات یہ ہیں:

حقدار حضانہ:

سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ حضانہ کا اول حقدار اور پھر ترتیب وار مستحقین

کون کون ہیں۔ ائمہ اربعہ اس میں مختلف رائے رکھتے ہیں۔

مندرجہ ذیل نقشہ سیمان کا خرق نمایاں ہو سکتا ہے:

حضانہ میں ائمہ اربعہ کا مسلک

حضانہ	حنفیہ	مالکیہ	شافعیہ	حنابلہ
			اگر حائنین	
			سے بچے ہوں	
			صرف عورتیں ہیں	صرف مرد ہوں
ماں	ماں	ماں	ماں	باپ
نانی	نانی	نانی	نانی	دادا
حقیقی بہن	حقیقی خالہ	باپ	دادی	حقیقی بھائی
پدری بہن	مادری خالہ	دادی	بہن	پدری بھائی
حقیقی بھانجی	ماں کی خالہ	پڑدادی	خالہ	مادری بھائی
مادری بھانجی	ماں کی پھوپھی	پھر حواقرب	بھانجی	حقیقی بھتیجا
			بھتیجی	علائی بھتیجا
	باپ	دادی	-	
				علائی خالہ
				حقیقی پھر
				اسیانی پھر
				علائی بہن
				حقیقی پھر
				اسیانی پھر
				علائی خالہ

مستحق پھر	حقیقی چچا	پھوپھی	-	باپ کو زانی	دادا
اخیا فی پھر					
علاقی پھوپھی					
ماں کی حقیقی اخیا فی	علاقہ چچا	خالہ زاد بہن	-	باپ کی زوی	حقیقی بھائی
پھر علاقہ خالہ					
باپ کی حقیقی اخیا فی	-	پھوپھی زاد بہن	-	باپ	پدری بھائی
پھر علاقہ خالہ					
باپ کی حقیقی اخیا فی	-	چچا زاد بہن	-	بہن	حقیقی پھوپھی
پھر علاقہ پھوپھی					
باپ کی حقیقی پھر اخیا فی	-		پھوپھی زاد بہن	-	-
پھر علاقہ خالہ					
بھتیجی		ماموں زاد بہن	-	پھوپھی	پدری بھتیجی
بھانجی			-	باپ کی پھوپھی	حقیقی چچا
چچا زاد بہن	-		-	باپ کی خالہ	پدری چچا
پہلے پھی زاد	-		-	حقیقی بھانجی	پدری چچا کا
بہن					فرزند
ماموں کی پھر باپ					اس کے بھانگے
کی چچا زاد بہن	-		-	مادری بھانجی	کوئی اور عصبہ نہ ہوتی
				پدری بھانجی	مادری بھائی پھر
					اس کا فرزند پھر
					مادری چچا پھر
					حقیقی ماموں
					پھر مادری ماموں

حنفیہ	مالکیہ	شوافع	حنابلہ
چچا، ماموں، پھوپھی اور خالہ زاد بہنوں کا حضانہ میں کوئی حق نہیں۔۔۔	کوئی برابر کے حقدار ہوں تو اصلح للحنفانہ کو ترجیح دی جائے گی۔	بہنہ یعنی کو علقہ اور عنقا کو اختیار پر ترجیح ہے۔۔۔	غیر محرم کو حضانہ کا حق نہیں خواہ رشتہ نامی کیوں نہ ہو
چچا زاد بھائی کو محضونہ نہیں دی جائے گی کیونکہ یہ محرم نہیں کہی برابر کے حقدار ہوں تو اسے	-	اس لیے اسے محضونہ مستثنیٰ ہے یعنی وہ نابالغ محضونہ جس کی عمر اس قابل ہو جس میں مرد کو اپنی طرف راغب کرنے کے آثار موجود ہوں) نہیں دی جائے گی۔	چہت مادری کو جہت پیری پر تقدم ہے اور حقیقی کو غیر حقیقی پر ترجیح ہے۔
زمینوں ترین کو ترجیح دی جائے گی۔ اس کے بعد زیادہ عمر والے کو۔	-	-	-
چچا زاد بھائیوں کے سوا کوئی نہ ہو تو کسی ایک کو یا کسی قابل اعتماد عورت کو قاضی دے دے گا	-	-	-
نہال کو دوا حال پر تقدم حاصل ہے۔	-	-	-

حاضن کی شرائط اور ائمہ اربعہ کا مسلک

آزاد ہو	اس پر دینی اعتقاد ہو	آزاد ہو
مرتد نہ ہو	-	مسلم ہو
فاسق نہ ہو	-	عفت و امانت پرست ہو

اجنبی سے شادی	کسی غیر محرم سے شادی	اجنبی سے شادی ہو کر	اجنبی سے شادی نہ
نہ کی ہو	نہ کی ہو	رخصتی نہ ہوتی ہو	کر لی ہو
عاقل ہو	عاقل ہو	عاقل اور راشد ہو	-
کوئی متعدی مرض نہ ہو	--	کوئی متعدی مرض نہ ہو	-
-	-	-	-
پہرہ پوش سے عاجز نہ ہو	-	پہرہ پوش سے عاجز نہ ہو	-
-	-	کوئی محفوظ مکان	-
-	-	موجود ہو	-
-	محضون کے شہر میں	-	-
-	اقامت پذیر ہو	-	-
-	-	-	باپ تکدرت نہ ہو

عقدت حضانت اور ائمہ اربعہ کا مسلک

محضون ۷ سال	بلوغ	تمیز و تخیر	۷ سال
محضونہ ۹ سال	تزویج	تمیز و تخیر	۷ سال

شافعیہ کے نزدیک تمیز سے مراد یہ ہے کہ ماں اور باپ میں تمیز کر سکے اور تخیر سے یہ مراد ہے کہ تمیز آنے کے بعد اسے اختیار دے دیا جائے کہ وہ جس کے ساتھ چاہے ہے۔

محضون کے اخراجات اور ائمہ اربعہ کا مسلک

محضون بے مایہ ہو	محضون بے مایہ ہو	محضون بے مایہ ہو	محضون بے مایہ ہو اور
یا بالغ ہو	یا بالغ ہو	یا بالغ ہو	نا قابل کسب ہو

۳ اشاعری شیعوں کے یہاں بھی ۷ سال ہی عقدت حضانت ہے۔

(من لا یخضرہ الفقید جلد ۲، صفحہ ۲۷۵)

نا قابل کسب ہو	-	نا قابل کسب ہو	نا قابل کسب ہو یا طلب علم کر رہا ہو
حائض و محضون دلو	نا بالغ ہو	نا بالغ و ناعاقل ہو	نا بالغ ہو
آزاد ہوں	آزاد ہو	آزاد ہو	آزاد ہو
-	محضونہ غیر شادی شاہ	محضونہ کی شادی و رخصتی	-
حائض کی مالی حیثیت	ہو	نہ ہو چکی ہو	-
اس قابل ہو	-	-	-
-	محضون کی رضاعت	ماں غنی بھی ہو تو وہ	اگر باپ بے مایہ اور
-	ماں پر ضروری ہے وہ	اخراجات ادا کرنے پر	نا قابل کسب ہو تو اقارب
-	اس کی اجرت طلب کر	مجبور نہیں کی جائے گی	پر اخراجات واجب ہیں
-	سکتی ہے۔ ماں پر	صرف رضاعت پر مجبور	جن میں ماں پھر داد اچھر
محضون کا نفقہ ضروری	نہیں	کی جا سکتی ہے۔ اگر	پچھا اور پھر کھانی پھر
-	-	محضون کی ہلاکت کا	الاقرب فالاقرب ہے
-	-	خوف ہو	-
-	-	-	اگر اقارب میں کوئی غنی
-	-	-	نہ ہو تو باپ کو اپنی اولاد
-	-	-	کے لیے سوال کرنے
-	-	-	کا حکم دیا جائے گا۔
-	-	-	اگر وہ بھی نہ کر سکے تو
-	-	-	بیت المال پر واجب
-	-	-	ہے۔

اخراجاتِ حضانت

مضامین	مالکیہ	شافعیہ	حنابلہ
محصنون کی ماں اگر مطلقہ نہیں تو حضانت بلا اجرت واجب ہے اگر وہ زوجیت سے الگ ہو چکی ہے تو اس کی اجرت مذکورہ بالا نکتے کے مطابق ہوگی۔	ماں پر حضانت بہر حال بے اجرت واجب ہے۔ باقی اخراجات کی شکل اور پر بیان کی جا چکی ہے۔	حضانت کی اجرت ماں کو دینا واجب ہے۔ باقی اخراجات کی صورت اور پر بیان کی جا چکی ہے۔	ماں اجرت حضانت طلب کر سکتی ہے۔ اسے حضانت پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ باقی مسائل اخراجات اور پر بیان کیے جا چکے ہیں۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ محض اللہ کی خوشنودی کے لیے کسی بچے کی پرورش و نگہداشت کا ذمہ لینے والے شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں۔ یہ ذمہ وہی لیتا ہے۔ جسے اس سے فطر و اجرت ہو۔

جو اس کے مال سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہو۔

یا اسے متنبی بنا نا چاہتا ہو۔

یا محض ایک خادمِ مطلوب جو، وغیرہ وغیرہ

اس میں ترجیح اسی کو حاصل ہوتی ہے جہاں فطر و محبت رکھتا ہو۔ مثلاً ماں، نانی

دادی، بہن، پھوپھی، خالہ وغیرہ کو۔ ان میں ماں یا زیادہ سے زیادہ نانی دادی کے علاوہ

کوئی حضانتی نہیں جو بہر حال میں یکساں مائے کے ساتھ حق حضانت ادا کر سکے۔ ہو

سکتا ہے کہ وہ خود کثیر الاولاد ہو اور مزید پرورش کا بوجھ نہ لینا چاہتی ہو۔ یہ بھی ممکن

ہے کہ دور دور رہنے یا خوشگوار تعلقات کی وجہ سے اسے محضون سے وہ دلی نگاؤ

(ATTACHMENT) نہ ہو جو حضانت کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ممکن

ہے کہ محضون کی معذوری یا بدسورتی کی وجہ سے کوئی حضانت کا ذمہ نہ لینا چاہتا ہو۔

جس کے پیش نظر محض مالی انتفاع ہی ہو اس میں ایک عاقل کی کسی دل سوزی مشکل ہی سے پیدا ہو سکتی ہے۔ اسی طرح جو محض ایک خدمت گزار بنانا چاہتا ہے اس میں بے بلاشبہ مطلوبہ انس و محبت نہیں ہو سکتی۔ ہاں رشتے کے خواہشمند یا متبہنی بنانے والوں سے مطلوبہ لگاؤ کی امید ہو سکتی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ حضانہ کا جو حق عورت ادا کر سکتی ہے وہ مرد (خواہ باپ دادا یا بھائی وغیرہ کیوں نہ ہوں) ادا نہیں کر سکتے۔ اسی لیے اکثریت ائمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ مردوں کا ثمر غورتوں کے بعد ہے بلکہ ماں اور اس کی جہت کے رشتہ داروں کو باپ کی جہت کے رشتہ داروں پر خواہ وہ عورت ہی کیوں نہ ہو تقدم حاصل ہے۔ مثلاً پھوپھی پر خالہ کو ترجیح ہے۔

فقہاء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ کسی برابر کے حقداروں کا مقابلہ ہو تو حق حضانہ سے حاصل ہوگا۔ جو اصلح (موزوں ترین) ہو یعنی جو بچے کی پرورش و نگہداشت زیادہ بہتر طریقے سے کر سکتا ہو۔

ائمہ فقہاء کا ایک اور نکتہ پر بھی اتفاق ہے کہ محضونہ کا حق حضانہ غیر محرم بھائیوں کو نہیں۔ ماحضنوں کی تمام فہرست میں جتنے بھی ہیں وہ سب محرم ہیں۔ بجز اس کے کہ محضون کی حاضدا امام شافعی کے نزدیک چچا زاد اور خالہ زاد نہیں ہو سکتی ہیں بشرطیکہ مردوں اور عورتوں میں کوئی دوسرا حاضن موجود نہ ہو۔ لیکن حنفیہ کے نزدیک نہیں ہو سکتیں۔ ہم حضانہ کی تمام بحثوں پر غور کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ برادری کے نامندوں کے مشورے سے عدالت خود اندازہ کرے کہ محضون کی زیادہ بے بوٹی کے ساتھ بسمانی ذہنی خدمت کون کر سکتا ہے؟ پھر اگر محضون صاحب مال ہو تو اس کے مال سے اخراجات پورے کیے جاتے ورنہ وراثت سے بقدر حصہ رسیدی اخراجات وصول کیے جائیں۔ وراثت میں جو نادر ہوں ان کو چھوڑ دیا جائے گا اور مالدار وراثت پر زیادہ بوجھ ڈالا جائے گا۔ اور انصاف کی بات تو یہ ہے کہ جس طرح عہد فاروقی میں ہر نومولود کا وظیفہ مقرر کیا جاتا تھا۔ اسی لئے نادر محضونوں کی ذمہ داری حکومت پر ہے۔ اس کے لیے خواہ کوئی شکس ہی کیوں نہ لگنا پڑے۔

۱۔ ماموں زاد، پھوپھی زاد

مراجح و ماخذ

- القرآن الکریم۔ المنزہ عن البیہ القیوم علی النبی الخاتم الرحیم
- ۱- احکام القرآن (مصر ۱۳۳۷) ابو بکر احمد بن علی الرازی الجصاص (۳۰۵-۳۷۰ھ)
- ۲- الاعلام طبع ثانی (مصر ۱۳۴۳ تا ۱۳۴۸) خیر الدین الزرکلی
- ۳- اعلام النصار (دمشق ۱۳۴۸) عمر رضا کمالہ
- ۴- اعلام الموقعین عن رب العالمین شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر الدمشقی الحنبلی (ابن قیم الجوزیہ ۶۹۱-۷۵۱)
- ۵- الاصبصار فیما اختلف من الاخبار ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی (۳۸۵-۴۶۰ھ) مطبعة النجف ۱۳۷۶ھ
- ۶- افاتیة البهفان (مصر) شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر الدمشقی الحنبلی (ابن قیم الجوزیہ ۶۹۱-۷۵۱)
- ۷- اشراق مصابیح السیر المجدیہ بجزء اسرار المواہب اللدنیہ (مصر) محمد بن عبد الباقی بن یوسف الزرقانی المالکی المصری (۱۰۵۵-۱۱۲۲ھ)
- ۸- اصول الکافی (تولکشور لکھنؤ ۱۳۰۲) ابو جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق الکلینی (۳۲۹ھ)
- ۹- بدایة المجتہد (قاہرہ ۱۳۷۱) ابو الولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد القرطبی (۵۲۰-۵۹۵ھ)
- ۱۰- البستان (بیروت ۶۱۹۲۷) شیخ عبد اللہ البستانی اللبنانی (۱۲۷۱-۱۳۲۸ھ)
- ۱۱- بغیة الامنی و ما شیه علی نصب الراية) نور شاہ کاشمیری (۱۳۵۲ھ) مصر ۱۳۵۷ھ
- ۱۲- التاج الجامع للاصول (مصر ۱۳۵۲) منصور علی ناصف الازہری (کان حیاتی ۱۳۵۱ھ)
- ۱۳- تاریخ بغداد (مصر) احمد بن علی بن ثابت (خطیب بغدادی ۳۹۲-۴۶۳ھ)
- ۱۴- تحفة الاحوذی (دہلی ۱۳۲۶ھ) عبد الرحمان بن عبد الرحیم مبارک پوری

- ۱۵- تفسیر ابن کثیر (مصر) ابو الفدا: اسماعیل بن عمر القرشی الدمشقی (۷۰۰-۷۷۴)
- ۱۶- تفسیر خازن (دیکھو باب التاویل) ابو جعفر محمد بن الحسن الطوسی (۳۸۵-۴۶۰)
- ۱۷- تہذیب الاحکام (مطبعة النعمان نجف از ۱۳۷۷-۱۳۸۲)
- ۱۸- الجامع الصیح للبخاری (دہلی) ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (۱۹۶-۲۵۶)
- ۱۹- الجامع الصیح لمسلم (مصر ۱۲۸۰) ابو الحسین مسلم بن حجاج انیسلی پوری (۲۰۱-۲۶۱)
- ۲۰- الجامع الصغیر فی حدیث البشیر النذیر (مصر ۱۳۷۳) جلال الدین السیوطی (۸۴۹-۹۱۱)
- ۲۱- الجوہر النقی علی پامش سنن البیہقی (حیدرآباد) عداؤ الدین بن علی بن عثمان الترمذانی (۶۸۳-۷۵۰)
- ۲۲- روضۃ الصفا فی سیرۃ الانبیاء والملوک والخلفاء میرخواند محمد بن خاوندشاہ بن محمود (.....-۹۳۰)
- ۲۳- سنن ابن ماجہ (مصر ۱۳۷۲) ابو عبد اللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی (۲۰۹-۲۷۳)
- ۲۴- سنن ابی داؤد (مصر ۱۳۶۹) ابو داؤد سلیمان بن اشعث البخستانی (۲۰۲-۲۷۵)
- ۲۵- سنن بیہقی (مصر) ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی الشافعی (۳۸۲-۴۵۸)
- ۲۶- سنن ترمذی (مصر ۱۳۷۷) ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سعید الترمذی (۲۰۴-۲۷۵)
- ۲۷- سنن دارقطنی ابو الحسین علی بن عمر حافظ بغدادی (۳۰۶-۳۸۵)
- ۲۸- شرح الوقایہ (مجتبائی دہلی) صدر الشریعہ الثانی عبید اللہ بن مسعود زکوان حیاء (۷۲۷-۷۷۷)
- ۲۹- عمدۃ الرعاہ (مجتبائی دہلی) مولانا عبدالحی الفرنگی محلی (.....-۱۳۰۴)
- ۳۰- عمدۃ القاری (شرح صحیح البخاری) محضر قاضی بدرالدین محمد بن احمد العینی (۷۶۲-۸۵۵)
- ۳۱- العنایہ فی شرح البہدایہ اکمل الدین محمد بن محمد بن محمود بن احمد البایزینی (۷۱۰-۷۸۶)
- ۳۲- فتاویٰ امیرانا عبدالحی (لکھنؤ) مولانا عبدالحی فرنگی محلی (.....-۱۳۰۴)
- ۳۳- فرق الزواج فی المذاهب الاسلامیہ (مصر) شیخ علی خفیف - لقیۃ بالقاہرہ ۱۹۶۷ء

- ۳۴- القضاء فی الاسلام (مصر) القاضی محمود بن محمد بن عزیس (..... - ۱۳۷۲)
- ۳۵- کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ (قاہرہ ۱۳۵۲) عبد الرحمان الجزیری (۱۲۹۹-۱۳۶۰)
- ۳۶- کنز الدقائق (کراچی) ابوالبرکات عبد اللہ بن احمد النسفی (..... - ۷۱۰)
- ۳۷- کتاب التاویل فی معانی التنزیل (مصر) علاؤ الدین علی بن محمد بن ابرہیم البغدادی الصوفی المعروف بالخازن (۶۷۸-۷۷۱)
- ۳۸- المبسوط (مصر) شمس ابدان محمد بن احمد بن ابی سہیل السرخسی (..... - ۳۹۰)
- ۳۹- المحلی (مصر ۱۳۲۸) علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی الیزیدی (۳۸۴-۳۵۷)
- ۴۰- المختصر القدوری (کراچی) ابوالحسین احمد بن محمد القدوری البغدادی (۳۶۲-۴۲۸)
- ۴۱- مسند احمد (مصر) احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی المروزی (۱۶۳-۲۴۱)
- ۴۲- معالم التنزیل (مصر ۱۳۵) برہاشیہ نازن ابو محمد حسین بن مسعود الفرار البغوی والشافعی (..... - ۵۱۶)
- ۴۳- المغنی (مصر ۱۳۷۲) ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ (۵۲۱-۶۲۰)
- ۴۴- من لا یحضرہ الفقیہ (نجف ۱۳۷۸) ابو جعفر محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی (..... - ۳۸۱)
- ۴۵- المواہب اللدنیہ فی المنہج المحمدیہ شہاب الدین ابوالعباس احمد بن محمد بن ابی بکر القسطلانی (۸۵۱-۹۲۳)
- ۴۶- موطا امام مالک (مصر) مالک بن انس الحمیری الاصبہی المدنی (۹۳-۱۷۹)
- ۴۷- نصب الرایہ لاحادیث الہدایہ (قاہرہ ۱۳۵۷) جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف الزیلعی (..... - ۷۶۲)
- ۴۸- الہدایہ فی الفروع (دہلی) برہان الدین علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل الفرغانی المرغینانی (۵۳۰-۵۹۳)

چند معاشی مسائل اور اسلام

از: سید یعقوب شاہ

اسلامی ممالک صدیوں کی نیند کے بعد بیدار ہوتے ہیں۔ ترقی یافتہ قوموں کی صف میں کھڑے ہونے اور آگے بڑھنے کے لیے انھیں جدید مسائل کو حل کرنا اور معاشرہ کے نئے تقاضوں کا ساتھ دینا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان اپنی اجتہادی بصیرتوں کو بروئے کار لائیں۔ عصر حاضر کے مسائل پر قرآن و سنت کی روشنی میں غور کر کے ایسی راہ اختیار کریں جو احکام اسلامی کے مطابق ہو اور دور جدید کے مسلم معاشرے کی ضرورت بخوبی پوری کر سکے۔ یہ کتاب لکھنے میں اسی مقصد کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اس کے مصنف جناب سید یعقوب شاہ پاکستان کے آڈیٹر جنرل اور حکومت مغربی پاکستان کے وزیر مالیات رہ چکے ہیں۔ وہ اقتصادیات کے بھی ماہر ہیں اور دینی علوم سے بھی شغف رکھتے ہیں۔ انھوں نے ربوہ، زکوٰۃ اور بیمہ جیسے زندہ اور ہم مسائل پر اظہار خیال کیا ہے اور کتاب و صحافت، تاریخ، عمرانیات اور اقتصادیات کا فائز مطالعہ کرنے کے بعد اپنے نتائج فکاہیہ انداز میں قلم بند کیے ہیں۔

صفحات : ۲۵۹

قیمت : قسم اول :- ۶/۵۰ روپے، قسم دوم :- ۵/۵۰ روپے

ملنے کا پتہ

ادارۃ ثقافت اسلامیہ

کلب روڈ۔ لاہور

قوانین اسلامی کا نفاذ

قرآن و سنت کی روشنی میں

از: سید یعقوب شاہ

سید یعقوب شاہ صاحب پاکستان کی ممتاز استیوں میں سے ہیں۔ وہ پندرہ حکومت ہند اور پھر حکومت پاکستان میں سرز عہدوں پر فائز رہے۔ دین، اسلام اور مسلمانوں سے محبت کا جذبہ انھیں اپنے خاندان سے ورثے میں ملا ہے۔ وہ سرکاری ملازمت کے دوران میں صوم و صلوات کے پورے پابند بھی رہے اور برابر ہی مطالعہ بھی کرتے رہے اور مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت میں بھی ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔

سید صاحب کی دلی آرزو ہے کہ پاکستان میں جلد قرآن اور سنت کے مطابق قوانین و ضوابط نافذ ہوں۔ اس راہ میں بعض حلقوں کی طرف سے جن مشکلات کا بھی دبی زبان سے اور کبھی کھلم کھلا اظہار کیا جاتا ہے، سید صاحب نے اس کتاب میں ان کا جائزہ لیا ہے، اور ان مسائل کے حل قرآن اور حدیث اور فقہ کی روشنی میں پیش کیے ہیں۔

صفحات : ۳۶۸ قیمت : ۵۰ / ۹ روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ ثقافت اسلامیہ

کلب روڈ۔ لاہور

چند

ازدواجی مسائل

مولانا محمد جعفر شاہ پھلواری

